فَاِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب

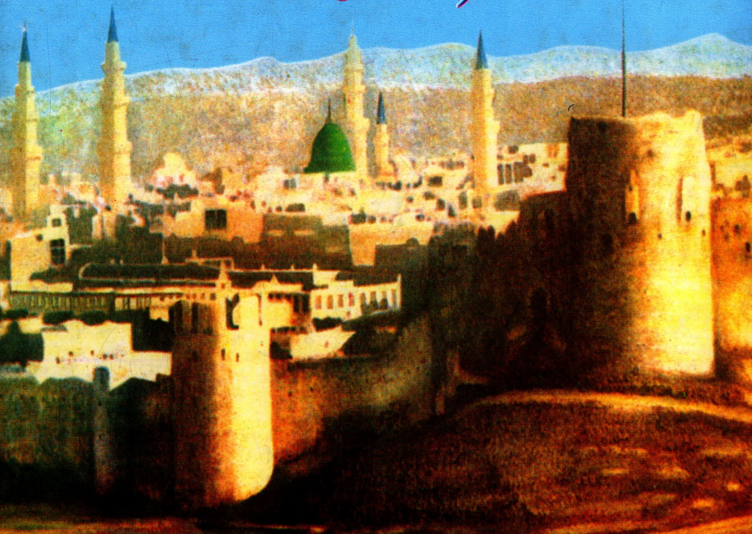
تقدیس والدی المصطفیٰ ﷺ کا اردو ترجمہ

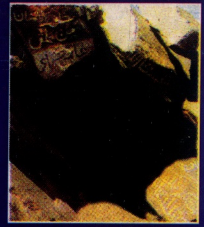
تقدیس والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

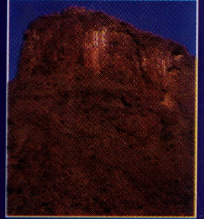
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اجداد کا دینی مقام و رتبہ

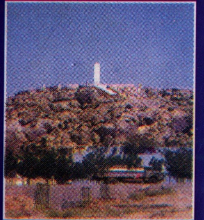
ترجمہ، تحقیق و تعلیق

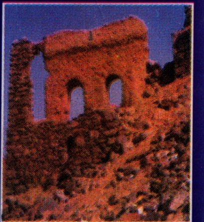
ڈاکٹر محمود الحسن عارف

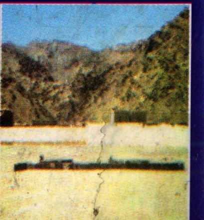














قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ مؤلف تفسیر مظہری کی ایک
نادر تحریر

تقدیس والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضور ﷺ کے والدین سعیدین اور اجداد پر ایک ایمان افروز تحریر





ترجمہ، تعلیق و تحقیق

ڈاکٹر محمود الحسن عارف



مرکز ادب اسلامی
735۔ ہما بلاک
علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون : 7460474 / 5416396

طبع اول	:	شوال 1421ھ / جنوری 2001ء
تعداد	:	1000
طابع	:	ادبستان' لاہور
ناشر	:	O حافظ طارق محمود عارفی O حافظ شاہد محمود عارفی مرکز ادب اسلامی' ۳۵۷ ہما بلاک' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور۔ فون 7460474 / 5416396
قیمت	:	-/130 روپے

تقسیم کار :

1۔ مکتبہ ادبستان' 43۔ ریٹی گن روڈ' لاہور
فون نمبر : 7117793

2۔ دار الکتاب' عزیز مارکیٹ' اردو بازار' لاہور

3۔ مکتبہ سید احمد شہید' اردو بازار' لاہور

4۔ خان بک ڈپو' لوئر مال' لاہور

5۔ مکتبہ مدنیہ' 17۔ اردو بازار' لاہور

بسمہ تعالیٰ

فہرست عنوانات

۱۔ تقدیس والدین مصطفیٰ ﷺ

(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اجداد کا دینی مقام ورتبہ)

عنوان	صفحہ
فہرست عنوانات	۳
حرفے چند (از سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم)	۷
انتساب	۸
حرف ابتدا	۹
تقدیم (مقدمہ)	
۱۔ سرزمین ہند کی خصوصیات	۱۱
۲۔ تحریک نشأۃ ثانیہ اسلام اور اس میں صاحب تصنیف کا حصہ	۱۳
۳۔ زیر نظر کتاب کا تصنیفی پس منظر	۱۵
۴۔ نسخے کی دریافت	۱۷
موضوع کا جائزہ (اور محبت نبوی کے تقاضے):	۱۸
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مؤمن ہونے کا نظریہ، تاریخی تناظر میں	۱۹
(۱) خاموشی (سکوت کا مسلک)	۲۶
(۲) معتوب ہونے کا مسلک	۲۷
(۳) نجات یافتہ ہونے کا مسلک (اور اس کی وجوہ):	۳۲
(الف) زمانۂ فترت میں ہونا	۳۴
(ب) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ملت حنیفیہ کا حامل ہونا	۳۶
(ج) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق استغفار کی اجازت نہ ملنے والی روایات کا جائزہ	۳۹
(د) آپؐ کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کے (آپؐ پر) ایمان لانے مسلک	۴۳
(ھ) علامہ الآلوسیؒ کا موقف	۴۴
(۴) روایات کا تجزیہ	۴۵
۵۔ کتاب پر تبصرہ	۴۶
(الف) کتاب کے مضامین پر ایک نظر	
(ب) آنحضورؐ کے خاندان کے فضائل	۴۸
(ج) کیا آنحضورؐ کے اجداد مومن تھے	۴۹

(د) عمومی جائزہ ۵۲
(ھ) ماخذ و مصادر ۵۲
(و) زبان و بیان ۵۲
٦۔ ترجمہ اور اس کے خصائص ۵۳
حوالہ جات و حواشی (مقدمہ) ۵۵

oo------------oo

آغاز کتاب
مقدمہ مؤلف ۵۹

[باب ۱]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور اجداد کے فضائل صحاح ستہ میں وارد شدہ احادیث کی روشنی میں ٦١
مجھے سب سے بہتر زمانے میں بھیجا گیا ٦١
حضرت ابوہریرہؓ، حاشیہ (ح ٣) ٦١
اللہ تعالیٰ نے خاندان نبوی کو سارے جہاں میں سے اور آپؐ کو اپنے خاندان میں سے منتخب کیا ٦٢
حضرت واثلہؓ بن الاسقع (ح ٦) ٦٢
جب بھی لوگ دو حصوں میں بٹے، مجھے بہترین حصے میں رکھا ٦٣
میرے والدین اور اجداد نے کبھی بدکاری کی طرف التفات نہیں کیا ٦٤
حضرت عبداللہ بن عباسؓ (ح ٦) ٦۵
حضرت جبریلؑ کا قول: میں مشرق و مغرب میں گھوما ہوں...... (عن عائشہ) ٦۵
ام المؤمنین حضرت عائشہ (ح ٨) ٦٧
ابن حجر العسقلانیؒ (ح ٩) ٦٧
مذکورہ روایات پر تبصرہ ٦٨
ایک اعتراض اور اس کا جواب ٦٩

[باب ۲]

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جناب عبدالمطلب تک اجداد نبوی کے ایمان اثبات ٧٠
حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ کے مابین ٧٢
ابن ابی حاتم کی روایت (ح ٣) ٧٢
حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ کے مابین ٧٣
حضرت ابراہیمؑ کے والد تارخ تھے یا آذر؟ ٧٤
ابن سعد کی روایت پر تبصرہ (ح ١١) ٧٤
حضرت ابراہیمؑ سے جناب عبدالمطلب کے مابین...... ٧۵
عمرو بن لحی الخزاعی کی بت پرستی (نیز ح ١٤) ٧٦
راوی عبداللہ بن خالدؓ (ح ١٧) ٧٩
جناب عبدالمطلب کے ایمان پر بحث ٨٠
(نیز، ح ٢۵) ٨٠
جناب عبدالمطلب کے اشعار ٨١
جناب عبدالمطلب کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انا کو نصیحت ٨٢
(روایت کی تخریج، ح ۳۵) ٨٣
مکہ مکرمہ کے موحدین ٨٣
ورقہ بن نوفل الاسدی (ح ٣٦) ٨٣

زید بن عمرو بن نفیل (ح ۳۷) ۸۴
قس بن ساعدہ الایادی (ح ۳۸) ۸۴
اوس بن حارثہ ۸۴
قیس بن ساعدہ کا خطبہ ۸۶
غالب بن ابجر (ح ۴۳) ۸۷

[باب ۳]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سعیدین کے ایمان کا اثبات ۸۹
ا۔ مخالف روایات کا جائزہ:
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملی (الحاکم کی روایت) ۹۰
اسی مضمون کی دوسری روایات ۹۲
ان روایات پر تبصرہ (ح ۴) ۹۲-۹۴
آنحضورؐ اپنی والدہ کی قبر پر اتنی دیر کھڑے رہے کہ آپؐ کو دھوپ کی تپش محسوس ہونے لگی (الطبری کی روایت) ۹۵
جناب ابو طالب (ح ۸) ۹۶
آپؐ نے ایک ہزار زرہ پوش (صحابہؓ) کے ساتھ اپنی والدہ کی قبر پر حاضری دی، (مسلم کی روایت) ۹۷
"میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے" (مستدرک حاکم کی روایت) ۹۸
(روایت پر تبصرہ، ۱۳) ۹۹
اسی مضمون کی مسند احمد بن حنبل کی روایت ۱۰۰
'اے کاش میں جانتا' (البغوی کی روایت) (ح ۱۵) ۱۰۱
میرا اور تمہارا باپ جہنم میں ہے (مسلم کی حدیث) ۱۰۲
[مذکورہ روایات کا تجزیہ]
مسلم کی حدیث کی سند کا جائزہ (ح ۱۶) ۱۰۳
کیا حماد (مسلم کے راوی) ثقہ راوی ہیں؟ ۱۰۳
مختلف روایات کے مابین تطبیق ۱۰۵
سورۃ التوبہ کی آیات کا شان نزول ۱۰۷
اللہ تعالیٰ آنحضورؐ کو آپ کے والدین کے متعلق ضرور خوش کرے گا ۱۰۸

[باب ۴]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مسلک و مشرب (علماء کے اقوال کی روشنی میں)
پہلا مسلک: آپؐ کے والدین فطری مؤمن تھے ۱۱۱
حضرت آمنہ کے اشعار ۱۱۲
حضرت آمنہ کا مرثیہ ۱۱۳
(اس نوع کی روایات کا پایہ، ح ۵) ۱۱۳
آپؐ کی والدہ قدسیہ کو ولادت نبوی کے وقت اور اس سے پہلے نظر آنے والے نشانات ۱۱۴
دوسرا مسلک: اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کی دعا پر آپ کے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے ۱۱۵

محب الطبری اور ابو بکر الخطیب کی روایات، (عن عائشہ) ۱۱۷
السہیلی کی روایت...... ۱۱۸
(سند پر تبصرہ، ح ۱۳) ۱۲۰
اس روایت کے متن اور سند کے متعلق محدثین کے اقوال...... ۱۲۳
اصحاب کہف کے واقعہ سے استدلال ۱۲۵
تیسرا مسلک: آنحضورؐ کے والدین ملت حنیفیہ پر عامل اور کاربند تھے ۱۲۷
آنحضورؐ کے والدین پر جہنم کی حرمت والی حدیث ۱۲۹

اختتامیہ [فوائد]

فائدہ: ۱ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ادب واحترام کا حکم ۱۳۱
ابواء کا مقام......(ح ۱) ۱۳۱
فائدہ: ۲ سورۃ الشعراء، آیت ۲۱۹ کی تفسیر ۱۳۲
الصفدی کے اشعار ۱۳۳
فائدہ: ۳ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں بدگوئی کا حکم ۱۳۴
فائدہ: ۴ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کے متعلق بدزبانی سے گریز کا حکم ۱۳۵
فائدہ: ۵ ابولہب کا انجام ۱۳۶
فائدہ: ۶ ابولہب کی طرف سے اپنی باندی کو آزاد کرنے کا نتیجہ ۱۳۶

خاتمہ ۱۳۶

تتمہ: ۱ (عربی متن) رسالہ تقدیس والدی المصطفی صلی الله علیه وسلم ۱۳۹
مقدمه من المؤلف رحمة الله ۱٤۱
فضائل نسب النبی صلی الله علیه وسلم (من روایات الکتب الستہ) ۱٤۲
هل کان آباء النبی صلی الله علیه وسلم مؤمناً (من سیدنا آدم الی عبد المطلب، جد النبی صلی الله علیه وسلم) ۱٤٦
اثبات ایمان عبد المطلب ۱٤۹
ورقه بن نوفل الاسدی (ح ۲۷) ۱٥۱
قس بن ساعده الایادی (ح ۲۸) ۱٥۲
اوس بن حارثه ۱٥۳
اثبات ایمان والدی رسول الله صلی الله علیه وسلم ۱٥٥
مذهب والدی المصطفی صلی الله علیه وسلم ۱٦۲
الفوائد (فی تکریم ابو ای النبی صلی الله علیه وسلم) ۱۷۳ـ۱۷٤
خاتمه ۱۷٤

حرفے چند

از

سید انور حسین نفیس الحسینی، دامت برکاتہم

ہندوستان کی تاریخ میں قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کا نام کسی وضاحت اور تعارف کا محتاج نہیں ہے، آپ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شاگرد رشید اور پیر طریقت 'مرزا مظہر جانجاناںؒ' کے تربیت یافتہ اور خلیفہ خاص تھے۔ آپ نے ایک ایسے وقت میں ہوش سنبھالا، جب ہندوستان پر غیر مسلم قوتیں پورے زور دار طریقے سے حملہ آور تھیں اور مسلمانوں کی عزت اور وقار کا نشان مغلیہ حکومت زوال اور انحطاط کا شکار تھی۔ قاضی صاحبؒ نے نہ صرف اس وقت کے موجود فتنوں کا مقابلہ کیا، بلکہ آپ نے آئندہ آنے والے کئی فتنوں کی نشان دہی بھی کی۔ قاضی صاحب کی کتاب السیف المسلول اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

قاضی صاحب نے علوم و معارف قرآنیہ کو عام کرنے کے لیے قرآن مجید کی عام فہم اور سلیس عربی زبان میں تفسیر (تفسیر مظہری) لکھی جو ان کی جلالت قدر اور علمی و فکری عظمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

اپنی تفسیر میں قاضی صاحب نے دو مقامات پر اپنی عربی تصنیف: "تقدیس والدین مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم" کا حوالہ دیا ہے، یہ کتاب قاضی صاحبؒ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے اثبات پر لکھی ہے اور اس میں انہوں نے اس عنوان پر بڑی دل آویز اور عمدہ بحث کی ہے۔ یہ کتاب ابھی قلمی صورت میں تھی۔ عزیز محترم ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے اسے کوئٹہ کے محترم آغا ابو حفص سے حاصل کر کے، ترجمہ و تحقیق کے ساتھ طبع کر دیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب اردو خواں طبقے میں قبول عام اور اہل علم و فضل کے ہاں سند اعتماد حاصل کرے گی اور اردو ادب میں ایک عمدہ اضافہ ثابت ہو گی۔

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ (احقر نفیس الحسینی)

۱۷۷۔ کریم پارک، راوی روڈ، لاہور

''انتساب''

اپنی شریک حیات

'' بیگم راشدہ محمود ''

کے نام

مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف ابتدا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور خاندان سے محبت ہر مسلمان کا بنیادی ورثہ ہے۔ یہی جذبہ اسے زندگی بھر ایک "مرکز" سے وابستہ رکھتا ہے اور پھر مرکز سے یہی وابستگی اس کی آرزوٴں اور امیدوں کا ماوی وملجا بن جاتی ہے۔ اسی سے اس کی پرسکون صبحیں اور محبت بھری شامیں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ وہ سوتا ہے تو اسی کے خواب اسے سکون بخشتے ہیں، وہ جاگتا ہے تو اسی کی آرزو، اس کی بے کلی اور بے کیفی کو سکون واطمینان عطا کرتی ہے۔

پھر جس "ذات" سے بندے کو محبت ہو جائے، اس کا تمام خاندان اس کی محبتوں اور عقیدتوں کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اس کے ہر فرد سے اس کی شناسائی اسے ان کے ادب واحترام پر مجبور کرتی ہے، یہی کچھ اس کتاب میں آپ کو نظر آئے گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب امت کے لیے ان کے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اولاد سے زیادہ محبوب ٹھہرے، تو کوئی مسلمان آپؐ کے والدین سعیدین یا آپؐ کے دوسرے نسبی بزرگوں کے متعلق کوئی ناپسندیدہ بات سننا بھلا کیسے گوارا کر سکتا ہے؟ یہی بات اس کتاب کی تالیف اور اس کے ترجمہ وتحقیق کا باعث بنی۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ؒ (م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) ہندوستان کے بہت ہی معروف محقق اور عالم ہیں، انہوں نے ہندوستان میں عربی زبان کی پہلی مبسوط تفسیر (تفسیر مظہری) مدون فرمائی اور اس کے علاوہ چالیس کے قریب کتب ورسائل تصنیف وتالیف فرمائے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں دو مقامات پر (جن کی تفصیل آئندہ مقدمہ میں بیان ہو گی)، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے اثبات پر، ایک

رسالے کا تذکرہ کیا ہے۔ ہماری طرح تفسیر مظہری کے ہر قاری کی خواہش اسے دیکھنے کی ہو گی۔ ہم نے اس رسالے کو اپنے ایک ایک مہربان (آغا ابو حفص عمر) سے حاصل کر کے اس کا اردو ترجمہ (تحقیق کے ساتھ) شائع کر دیا ہے، جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اس رسالے کو آسان، عام فہم اور سلیس زبان میں ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے اور رسالے کے اکثر حوالہ جات اور اس کے رجال کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان اضافوں سے یہ رسالہ اپنے قارئین کے ہاں ضرور سند قبول حاصل کرے گا۔

ہم اپنے اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ اس رسالے کے قارئین ہی کریں گے، اس رسالے کی ترتیب و تدوین کے ضمن میں، میں اپنے شعبے کے ڈاکٹر محمد امین صاحب، آغا ابو حفص عمر (کوئٹہ) اور محترم سعد سروجی کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے اس کے سلسلے میں مفید مشوروں سے نوازا۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ/دسمبر ۱۹۹۹ء

(مؤلف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

الحمد للہ منشئی الخلق من عدم ثم الصلوٰۃ علی المختار فی القدم

یوں تو اللہ تعالیٰ نے برعظیم پاک و ہند کی سرزمین کو بے شمار خوبیوں اور ان گنت صفات سے آراستہ و پیراستہ کیا ہے: اس سرزمین پر دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیاں ہیں۔ دنیا کے بہترین دریا اس سرزمین کو سیراب کرتے ہیں اور دنیا کے بہترین زرخیز میدان اسی خطے میں واقع ہیں۔ یہ سرزمین اپنے لہلہاتے ہوئے سبزے، اپنے گنگناتے ہوئے چشموں اور اپنے خوبصورت جانوروں کی بنا پر تو، ''جنت نظیر'' ہے ہی، اسے قدرت نے علم و فضل، ورع و تقویٰ اور ادب و فلسفہ کے خزانوں سے بھی خوب مالا مال کیا ہے۔ یہ سرزمین جہاں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ، خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ، خواجہ نظام الدین دہلویؒ اور مخدوم شیخ علی ہجویریؒ جیسے اقطاب اور ابدالوں کی سرزمین رہی ہے، وہاں اس سرزمین سے، شیخ علی المتقیؒ، شیخ علی المہائمیؒ، ملّا جیونؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور علامہ اقبالؒ جیسے علماء، فضلاء اور فلسفی بھی اٹھے۔ الغرض یہ سرزمین ہر پہلو سے چندے آفتاب و چندے ماہتاب رہی ہے۔ اسی لیے اس زمین سے پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی خوشبو محسوس ہوئی۔

اس سرزمین کو ایک اور پہلو سے بھی امتیاز حاصل ہے وہ یہ کہ یہ سرزمین تاریخ کے ہر دور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مبارک خاندان کی محبت

عقیدت سے سرشار رہی ہے۔ اس محبت کو ہم "توہم پرستی" کہیں یا ضعیف الاعتقادی' لیکن یہ ایک کھلی اور بے پایاں حقیقت ہے کہ اس سرزمین کا "خمیر" سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بابرکت خاندان کی محبت سے اٹھایا گیا ہے۔ اس لیے آپؐ کی ذات اور آپؐ کے خاندان سے محبت کا اظہار، جتنا اس سرزمین سے نظم ونثر میں ہوا ہے وہ دنیا کے کسی اور خطے میں دیکھنے میں نہیں آتا۔

اس خطے کے "لوگ" خاندان نبوت سے، اپنی محبت کا اظہار اپنی اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق کرتے رہے ہیں: شاعروں نے پیغمبر عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ قصیدے اور نعتیں نظم کیں۔ ادیبوں نے ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا اظہار ادبی پیرائے اور علمی اسلوب میں کیا۔ علماء نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپؐ کے خاندان کے لوگوں کے حالات لکھے۔ دین دار لوگ درود و وظائف آپؐ کی نذر کرتے رہے اور عام لوگ مجالس میلاد اور محافل سیرت میں شامل ہو کر اس کا اظہار کرتے رہے۔ کبھی موقع آیا تو "غازی علم الدین" بن گئے اور کسی گستاخ رسول کو جہنم رسید کر کے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ الغرض یہاں

وللناس فیما یعشقون مذاهب

کا طریقہ اور انداز دیکھنے میں آتا رہا۔

ان سب طریقوں میں سے ہر طریقہ ہی "محبت" کی کوئی نہ کوئی ادا رکھتا ہے' اسی لیے ہمارے لیے مناسب تو یہی تھا کہ ہم اظہار محبت کے ان سب طریقوں پر گفتگو کرتے، لیکن وقت کی تنگی دامن گیر ہے' اسی لیے اس گلستان محبت میں سے صرف ایک شگوفے پر ہماری توجہ مبذول رہے گی۔

خاندان نبوی سے محبت کا یہ شگوفہ، جو ہماری آج کی گفتگو کا مرکز ہے مسلمان

حکومتوں کے دارالخلافہ دہلی کے شمال مغربی علاقے (پانی پت کے میدان) میں کھلا۔ ہماری مراد قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اور ان کے غیر مطبوعہ رسالے ''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور بزرگوں کا دینی مقام و رتبہ'' (تقدیس والدی المصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم) سے ہے۔

۲۔ تحریک نشاۃ ثانیہ اسلام اور اس میں صاحب تصنیف کا حصہ:

قاضی صاحب جس وقت پیدا ہوئے (نواح ۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۳ء) اس وقت ہندوستان پر اگرچہ مغلیہ حکومت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا، مگر علم و فضل کا ایک آفتاب نصف النہار پر تھا، جسے دنیا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نام سے جانتی ہے۔ شاہ ولی اللہ، جنہیں بجا طور پر ''امام العصر'' کہا جاتا ہے، اپنی بے شمار علمی خدمات کی بنا پر یگانۂ روزگار تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسی مرکز سلطنت دہلی میں روحانیت و تصوف کی مسند علیا حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید دہلویؒ (م ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۲ء) سے آراستہ تھی۔ قاضی صاحب کو ان دونوں بزرگوں سے ہی تلمذ حاصل تھا، انہوں نے ان دونوں شخصیات سے ہی استفادہ کیا۔

اسلامی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان کے جنوبی علاقوں سے ہندومت کے احیاء کی ایک کالی گھٹا اٹھی، چنانچہ اسی دور میں نشاۃ ثانیہ اسلام'' کی تحریک کا زوردار طریقے سے احیاء ہوا۔ اس تحریک کی اساس ''رجوع الی القرآن والسنۃ'' پر استوار کی گئی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان سے محبت کو اس کے لیے دستور العمل بنایا گیا۔ قاضی صاحبؒ کو یہ دونوں باتیں اپنے اساتذہ سے، وراثت میں ملیں۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی ایک ایسے علمی خاندان (خاندان عثمانی) کے فرزند تھے جس میں شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتیؒ جیسے لوگ پیدا ہوئے اور جس میں علم و فضل کئی صدیوں سے متوارث تھا۔

قاضی صاحبؒ نے اسی تحریک کے زیر اثر چالیس کے قریب کتابیں اور چھوٹے بڑے رسائل تصنیف و تالیف فرمائے۔ جن میں تفسیر مظہری جیسی عظیم علمی تصنیف بھی شامل ہے۔ قاضی صاحب کی کتابیں کسی نہ کسی طرح، اسی علمی اور فکری جہاد کا تسلسل ہیں، جسے شاہ ولی اللہؒ نے شروع کیا تھا اور جسے ان کے بعد شاہ عبدالعزیز محدثؒ اور سید احمد شہید بریلویؒ جیسے بزرگوں نے جاری رکھا۔

۲۔ خاندان نبوی پر قاضی صاحبؒ کی تصانیف:

قاضی صاحبؒ نے یوں تو اپنی تمام کتابوں میں ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان سے، محبت و شیفتگی کا کھلے لفظوں میں اظہار فرمایا ہے، تاہم انہوں نے خصوصی طور پر اس موضوع پر، حسب ذیل کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں:

۱۔ شمائل واخلاق نبوی (حلیۂ مبارکہ)۔ یہ کتاب خاکسار کے اردو ترجمے اور تحقیق کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں طبع ہو چکی ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل پر ایک خوبصورت اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ تقدیس والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(تقدیس والدی المصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم)، ہمارے اس مقالے کا موضوع۔

۳۔ رسالہ درنسب اطہر وازواج مبارکہ و اولاد عالی گہر سرور عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

۴۔ خلاصۃ السیر (سیرت شامی کی جلد، متعلقہ شمائل وسیرت، کی تلخیص)۔ (۱)

مختصر ترین لفظوں میں، اگر کہا جائے تو یہ کہنا مناسب ہو گا کہ قاضی صاحبؒ کے نزدیک ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی تکمیل اس وقت تک

نہیں ہو سکتی، جب تک آپ کی اولاد مبارکہ ' ازواج طیبات اور آپؐ کے خاندان کے بزرگوں سے محبت نہ کی جائے۔ اسی لیے، ان کی کتابیں دراصل اسی "دل آویز" حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو "اہل دل" بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں.

۳۔ "تقدیس والدین مصطفیٰ ﷺ" (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا دینی مقام ورتبہ) کا تصنیفی پس منظر

قاضی صاحبؒ کی مذکورہ کتب میں وہ کتابچہ 'جو انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سعیدین جناب عبداللہ 'حضرت آمنہ اور ان سے لیکر حضرت آدم علیہ السلام تک آپؐ کے بزرگوں کے ایمان کے اثبات پر لکھا ہے اور جو بڑی اہمیت و عظمت کا حامل ہے 'اب تک غیر مطبوع ہے۔ یہ کتاب نامور مجددی بزرگ مولانا ابوالحسن زید دہلویؒ کے کتب خانہ (واقع چتلی قبر دہلی) میں موجود ہے۔ انہوں نے اس کو، خود قاضی صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ اس کتابچہ کے آخر میں اس پر حسب ذیل ترقیمہ لکھا ہوا ہے:

يقول العبد الراجى رحمة ربه القوى ابوالحسن زيد الفاروقى المجددى بانى قد نقلت هذه الرسالة الشريفة فى تقديس آباء النبى صلّى الله عليه وسلم للعالم النحرير والحبر الكبير القاضى محمد ثناء الله العثمانى رضى الله عنه وارضاه فى يوم السبت العشرين من الشهر المبارك الذى ولد فيه سيد العرب والعجم

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید رکھنے والا ابوالحسن زید فاروقی مجددی کہتا ہے کہ میں نے یہ کتابچہ تقدیس...... جو عالم جلیل اور علامہ کبیر قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کا ہے بروز ہفتہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ کو گرمائی مقام شملہ میں رامندر ہاؤس کی دوسری منزل پر بیٹھ کر نقل کیا' تمام حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے.

صلوٰة الله وسلامه علیه بعد سبع و
خمسین وثلاثمائة بعد الالف من
الهجرة علیٰ صاحبها الف صلوٰة
وتحیة وذالك فی شمله سمرهل
رامندر هاوس۔ الدّور الفوقانی ولله
الحمد (۲)

انہوں نے یہ نسخہ قاضی صاحبؒ کے اپنے ہاتھ سے نقل ہوے نسخے سے نقل کیا ہے، چنانچہ قاضی صاحبؒ نے اپنے نسخے کے آخر میں لکھا ہے:

قدتمّ ما لخصت من رسائل السیوطی فی تقدیس آباء النبی صلّی الله علیه وسلم سلخ ربیع الاول ۱۱۹۱ھ (۳) (یہ کتابچہ جسے میں نے جلال الدین السیوطی کے رسائل سے تلخیص کیا ربیع الاول ۱۱۹۱ھ میں مکمل ہوا)۔

اس کتابچے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے، کہ اپنی اس تصنیف اور اس کے بلند پایہ موضوع کا تذکرہ قاضی صاحبؒ نے اپنی تفسیر ''تفسیر مظہری'' میں دو بھی مقامات پر ہے، وہ سورۃ البقرہ۔(آیت ۱۱۹) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقد صنف الشیخ الاجل جلال الدین السیوطی رضی الله عنه فی اثبات اسلام آباء النبی صلّی الله علیه وسلم رسائل واخدت من تلك الرسائل رسالة فذکرت فیها مایثبت

اور شیخ جلال الدین السیوطی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے اثبات پر کئی رسائل لکھے ہیں، میں نے ان کے رسائل میں سے انتخاب کر کے ایک رسالہ لکھا

اسلامهم ویفید اجوبة شافیه لمایدل علیٰ خلافه (۴)

ہے، جس میں ان دلائل کا تذکرہ کیا ہے جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس کے خلاف پیش کیے جانے والے اعتراضات کے شافی جوابات کا بھی ذکر کیا ہے اور تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے.

اسی طرح انہوں نے سورۃ التوبہ (آیت ۱۱۳) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنی اس کتاب کا مکرر حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے:

وقد صنّف الاجل جلال الدین السیوطی رضی اللّٰه عنه رسائل فی اثبات ایمان ابوی رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم وجمیع آبائه وامهاته الیٰ آدم علیه السلام وخلصت منها رسالة سمیتها بتقدیس آباء النبی صلی الله علیه وسلم فمن شاء فلیر جع الیه (۵)

اور شیخ کبیر علامہ جلال الدین السیوطی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، تمام اجداد اور تمام جدات کے ایمان کو ثابت کرنے کے لیے کئی رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک رسالہ تلخیص کر کے لکھا جس کا نام تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جو شخص چاہے، اس کی طرف مراجعت کر لے.

۔ نسخے کی دریافت

جن ایام (۱۹۸۰ـ۱۹۸۵ء) میں خاکسار قاضی محمد ثناء اللہؒ اور ان کی تفسیر مظہری پر تحقیقی کام کر رہا تھا، ان دنوں قاضی صاحبؒ کے اس رسالے کو ہر چند تلاش

کیا، لیکن اس کا کسی جگہ سے سراغ نہ مل سکا، اسی لیے خاکسار اپنے تحقیقی مقالے میں اس کا مختصر سا تذکرہ کرنے کے علاوہ اس کے متعلق زیادہ معلومات مہیا نہ کر سکا۔

یہ اوائل ۱۹۹۹ء کی بات ہے ایک روز خاکسار دفتر میں اپنی روزمرہ کی ذمہ داریاں انجام دے رہا تھا، کہ محترم محمد سعد سروجی میرے پاس تشریف لائے (آپ مولانا محمد اسماعیل نقشبندیؒ سابق سجادہ نشین خانقاہ موسیٰ زئی تشریف کے صاحبزادے اور حقیقۃً ان کے فکری وارث ہیں)۔ باتوں باتوں میں قاضی صاحبؒ کے مذکورہ رسالے کا ذکر آیا، تو انہوں نے بتایا کہ یہ رسالہ کوئٹہ میں محترم آغا ابو حفص عمر کے پاس موجود ہے، موصوف نامور نقشبندی بزرگ مولانا ابوالحسن زید مرحوم کے قریبی عزیز ہیں۔ طے ہوا کہ خاکسار اس ضمن میں آغا صاحب کو خط لکھے گا چنانچہ خاکسار کے خط کے جواب میں، چند ہی دنوں کے بعد رجسٹرڈ ڈاک سے ایک پیکٹ موصول ہوا، جس میں قاضی صاحبؒ کے مذکورہ کتابچے کا تصویری نسخہ موجود تھا۔

ابتداءً میرا خیال تھا کہ یہ نسخہ کافی ضخیم ہوگا اور اس میں اپنے موضوع کا پوری طرح احاطہ کیا گیا ہوگا، لیکن قاضی صاحبؒ کا یہ رسالہ 'خلاف معمول' مختصر ہے، حالانکہ قاضی صاحبؒ بڑے پرنویس مصنف ہیں 'جب لکھتے ہیں، خوب لکھتے ہیں' تاہم مختصر ہونے کے باوجود یہ اپنے موضوع کا بڑی عمدگی کے ساتھ احاطہ کرتا ہے، جس سے پڑھنے والے کو بڑی مفید معلومات ملتی ہیں۔

۴۔ موضوع کا جائزہ:

اس سے قبل کہ اس رسالے کے مضامین پر ایک نظر ڈالی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے موضوع پر مختصر سی گفتگو کر لی جائے۔

یوں تو اسلامی تعلیمات کا دامن ''آفاق گیر'' ہے اور زمان و مکان کی کوئی قید اور بندش اس کی راہ میں حائل نہیں ہے، لیکن اسلام کی ان اعلیٰ وارفع تعلیمات کی اساس

جن بین الاقوامی اور آفاقی اصولوں پر استوار ہے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ سے محبت و شیفتگی اور آپؐ کی اطاعت و فرماں برداری کا اصول کلیدی حیثیت رکھتا ہے، قرآن حکیم نے ہر جگہ اس نکتے پر زور دیا ہے اور اس کو "ایمان" کی بنیاد کہا ہے: مثلاً ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (٦)

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں، تو ان کے لیے اس میں کچھ اختیار باقی رہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہ ہو گیا۔

ایک اور مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو جزو ایمان" قرار دیا گیا، ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ...... (٧)

کہہ دو اگر تمہارے باپ، بھائی، بیویاں، خاندان کے لوگ، وہ مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالی اپنا حکم (عذاب) بھیج دے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس گونہ محبت و شیفتگی کی وجہ یہ ہے

کہ آپؐ کی ذات اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام دنیا کے لوگوں کے لیے اسوۂ حسنہ، یعنی عمل کا قابل تقلید نمونہ ہیں، لہذا جس درجے کی آپؐ سے محبت ہوگی، اسی درجے میں آپؐ کی ذات سے عملی اور روحانی فیضان بھی زیادہ ہوگا۔

قرآن حکیم نے اسی بنا پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کا تذکرہ ایسے الفاظ سے فرمایا ہے جو ادب خیز ہونے کے ساتھ ساتھ الفت بھی ہیں، مثلاً آپؐ کو تمام لوگوں کے لیے رافت و رحمت کا سرچشمہ اور رؤف و رحیم قرار دیا گیا ہے (۸) آپؐ پر لوگوں کا مشقت میں پڑنا بڑا گراں ہے (۹)، یہ آپؐ ہی تھے جو لوگوں کے ایمان نہ لانے کے غم میں مسلسل گھلتے رہتے تھے، جس کی بنا پر قرآن حکیم کو، محبت آمیز پیرائے میں نصیحت کرنا پڑی۔ (۱۰) آپؐ کی ذات ان تمام اخلاق حسنہ و عالیہ کا مجموعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین ہیں (۱۱) اسی لیے آپؐ کی ذات خلق عظیم کی حامل ہونے کے باعث امت کے لیے "اسوہ حسنہ" (عمل کا نا قابل تقلید نمونہ) ہیں (۱۲)۔

قرآن حکیم نے آپؐ کی ذات اقدس سے امت کے رشتہ محبت و مودت کو مزید مضبوط اور پختہ کرنے کے لیے، آپؐ کے ساتھ عام انسانوں کے وہ تمام رشتے بھی قائم کردیئے ہیں جن سے باہمی الفت و محبت میں قابل رشک اضافہ ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ آپؐ کی ذات امت پر، ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتی ہے (۱۳) اور آپؐ کی ازواج طیبات وطاہرات نہ صرف یہ کہ امت کی مائیں ہیں (۱۴) (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے روحانی والد)، بلکہ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ کے لیے نکاح بھی حرام قرار دیا گیا ہے (۱۵)۔

جہاں تک بارگۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کا تعلق ہے، جو محبت و عظمت کا لازمی تقاضا ہوتے ہیں، قرآن حکیم نے ان سے بھی امت کو خبردار کیا ہے۔ چنانچہ حکم دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اپنی ذات (یا اپنی رائے وغیرہ) کو کبھی مقدم نہ کریں (۱۶)، آپؐ کو عام لوگوں کی طرح نہ بلائیں (۱۷)، آپؐ کے روبرو

ادب، نرمی اور آہستگی سے زبان کھولیں (۱۸) اور آپؐ کے بلاوے کو عام لوگوں کے بلاوے کی طرح نہ سمجھیں (۱۹)۔ ان آداب کی خلاف ورزی انسانی اعمال کی بربادی اور ان کے اکارت ہونے کا ذریعہ بن سکتی ہے (۲۰)۔

قرآن حکیم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہی نہیں، بلکہ آپؐ کے قریبی عزیزوں سے بھی محبت والفت رکھنے کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى (۲۱) کہہ دو، کہ میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، مگر قرابت کی محبت تو چاہیئے۔

متعدد تابعین نے نامور صحابی اور حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں "مودّۃ فی القربی" سے مراد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں سے محبت و مودت ہے، چنانچہ ابن ابی حاتم، الطبرانی اور ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں (۲۲)، جبکہ عام قول کی رو سے اس سے مراد یہ ہے کہ قریش مکہ کم از کم اس قرابت داری کا ہی لحاظ کریں، جو انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔

اس کے علاوہ حضرت زیدؓ بن ارقم کی حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذکرکم اللہ فی بیتی (۲۳) میں تمہیں اپنے گھر والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں۔

قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ احادیث طیبہ میں بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ سے محبت و مودت رکھنے کا درس دیا گیا ہے، مثال کے طور پر، ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ و ولدہٖ والناس اجمعین......(۲۴)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک میری ذات اسے اس کے باپ، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

چنانچہ امام بخاریؒ نے "حب الرسول من الایمان" پر ایک مفصل باب قائم کیا ہے (۲۵) جس میں اسی نکتے پر زور دیا گیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما و من احب عبدا لایحبہ الا للہ و من یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقیٰ فی النار (۲۶)

جس شخص میں تین باتیں موجود ہوں، وہ ایمان کی حلاوت پالے گا: جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول، باقی سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، (دوم) وہ جو کسی بندے سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے اور (سوم) وہ جو شخص کفر سے نجات ملنے کے بعد اس کی طرف لوٹنے کو اس طرح ناپسند کرے جیسے کہ وہ جہنم میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث طیبہ کے ان پیہم بیانات اور صاف و صریح ارشادات سے یہ بات بخوبی عیاں ہو جاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسیہ سے محبت مرکز "ایمان" ہے جس کے بغیر اسلام کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

پھر عموماً کسی "فرد" سے محبت "تنہا" نہیں کی جاتی، بلکہ محبت کا دائرہ اس کے خاندان، قبیلے اور متعلقین و متوسلین تک وسیع ہوتا ہے اور محبت کرنے والا خود کو ہر اس نقش پا

سے محبت کرنے پر مجبور پاتا ہے جو "دیار یار" تک پہنچنے والے اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں.

خود قرآن حکیم میں...... "محمد رَّسول الله" (صلی اللہ علیہ و سلم) کے ساتھ...... "والَّذین معه" (جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں) کا تذکرہ بھی اسی محبت بھرے انداز کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اگر تمہاری محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی اور بے لوث ہے، تو تمہارے دلوں میں ان لوگوں کی بھی محبت پیدا ہو جائے گی جو ماہتاب نبوت کے لیے "حلقے" کی سی اہمیت رکھتے ہیں.

پھر جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے، جنہیں خاندان نبوی ہونے کا اعزاز و رتبہ حاصل ہے، تو ان میں سے ہر فرد مسلمانوں کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرجع ہے، چنانچہ مفسّرین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (۲۷)	یقیناً، وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے.

اس موقع پر نازل ہوئی، جب منافقین نے امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں جھوٹی باتیں گھڑ کر پھیلا دی تھیں (۲۸)، اس کے علاوہ سورۃ النور میں واقعۂ افک کا ردّ جس طرح کے سخت ترین الفاظ و کلمات میں فرمایا گیا ہے اس سے بھی اس خیال اور قیاس کو تائید پہنچتی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ و اقارب بھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے "محبت" کے زمرے میں داخل ہیں، اسی لیے...... واقعۂ افک پر بحث کا اختتام

اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ...... الآیۃ (۲۹)	نیک عورتیں نیک مردوں کے لیے، اور نیک مرد نیک عورتوں کے لیے ہیں.

پر ہوا ہے، جس میں خاندان نبوت کے بارے میں محتاط رہنے کا مضمون بڑی عمدگی کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

الغرض قرآن حکیم، احادیث طیبہ اور ائمہ اسلام کے اقوال کی روشنی میں، یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان مسلمانوں کے لیے ایک شاہی خاندان کی حیثیت رکھتا ہے، جن کے ہر فرد سے محبت و عقیدت مسلمانوں کے ایمان کا حصہ اور جزو ہے۔

اس فہرست میں آپؐ کے خاندان کے وہ لوگ تو بلا اختلاف داخل ہیں، جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور جنہوں نے آپؐ کے مرتبہ نبوت کو پہچانا...... جیسے حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور آپؐ کے خاندان کے دوسرے نفوس قدسیہ ہیں۔

البتہ خاندان نبوی کے وہ افراد جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے...... علماء نے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

قسم اول ان لوگوں پر مشتمل ہے، جن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی گئی اور انہوں نے اسے قبول نہیں کیا، جیسے ابولہب اور (اکثر روایات کی رو سے) جناب ابوطالب وغیرہ...... ان لوگوں کے بارے میں، اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ لوگ دعوت اسلام کو رد کرنے کے باعث مستحق عذاب و عتاب ہیں، البتہ...... ان کا...... خصوصاً جناب ابوطالب...... کا تذکرہ ادب و احترام کا متقاضی ہے۔

دوسری قسم ایسے بزرگوں پر مشتمل ہے، جنہوں نے "بعثت نبوی" سے قبل انتقال فرمایا اور انہیں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی،...... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بزرگوں کا حکم مختلف فیہ ہے...... اور یہی مسئلہ زیر بحث رسالے کا موضوع ہے۔

۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مؤمن ہونے کا نظریہ تاریخی تناظر میں:

مذکورہ بالا فہرست میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسی صفات والدین (جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ) کے اسمائے مبارکہ سر فہرست ہیں،...... یہی دونوں بزرگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "دنیا" میں تشریف آوری کا ظاہری سبب اور وسیلہ بنے...... اور لاکھوں انسانوں پر مشتمل اس دنیا میں وہی دونوں اس "سعادت عظمیٰ" کے حق دار اور سزاوار قرار پائے...... یہ مرتبہ بلند اور یہ شرف عظیم...... خدائے بخشندہ کی بخشش اور عطا کے بغیر ناممکن ہے.

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع جناب عبداللہ کی موجودگی مختلف فیہ ہے، بعض روایات کی رو سے، انہوں نے اس وقت انتقال فرمایا، جب آپؐ ابھی شکم مادر میں تھے.

جبکہ آپؐ کی والدہ سعیدہ نے آپ کی ۶ یا ۸ برس تک پرورش فرمائی اور اس وقت دنیا سے پردہ فرمایا جب آپؐ نے اپنی زبان سے بولنا اور اپنے قدموں سے چلنا سیکھ لیا تھا، لیکن چونکہ ان کے متعلق قبول ایمان کی کوئی "صراحت"، نہیں ملتی، بلکہ بعض روایات کے الفاظ اس کے خلاف ہیں، اس لیے امت میں ان کے مؤمن ہونے کا مسئلہ اختلافی رہا ہے.

. یہی حال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کے اجداد اور جدات کا ہے۔ پھر امت میں اس بارے میں بھی کوئی اختلاف و نزاع نہیں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد اور جدات اپنے زمانے کے بہترین لوگ تھے۔ ان کے باہمی تعلقات نکاح پر مبنی تھے یہ لوگ غلط روی اور فسق و فجور سے دور تھے۔ یہ تمام مرد اور تمام خواتین اخلاقی اور نسبی اعتبار سے برگزیدہ اور عمدہ ترین لوگ تھے۔ تاہم جہاں تک

ان بزرگوں کی نجات اور عدم نجات کا تعلق ہے، تو اس بارے میں ان کے ایمان کی صراحت نہ ہونے کی بنا پر بحیثیت عمومی اس بارے میں درج ذیل مسالک سامنے آتے ہیں:

(ا) خاموشی (سکوت)

ان بزرگوں کے ساتھ چونکہ، آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی رشتہ تھا اور پھر ان کا انتقال ایک ایسے دور (دور فترت) میں ہوا جب لوگ اسلام کی روشنی سے محروم تھے، اس لیے ان کے بارے میں جمہور امت نے (جس میں ائمہ اربعہ...... کے علاوہ امت کے اکثر اکابرین شامل ہیں) سکوت (خاموشی) کا مسلک اختیار فرمایا ہے، ہمارے خیال میں یہی مسلک سب سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔

وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ (نجات و عدم نجات) چونکہ عالم آخرت سے تعلق رکھتا ہے، جہاں فیصلوں کا کامل اختیار "مالك الملك" اور مالك يوم الدين" (جزا وسزا کے دن کے مالک) کو ہوگا، جو اس بارے میں کسی کی مداخلت یا شرکت گوارا نہیں فرماتا...... لہذا کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خصوصاً اس قسم کے اختلافی موقعوں پر زبان کھولے۔

علاوہ ازیں ان بزرگوں کے خاندان نبوت میں سے ہونے کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ان کی نجات و عدم نجات کے متعلق اپنی زبان کو بند رکھا جائے، اور اس "مقدمے" کو اللہ تعالیٰ کی رحمت و مشیت کے سپرد کر دیا جائے۔

علاوہ ازیں آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور بزرگوں کے عمومی رویئے اور ان کے اخلاق عالیہ کے متعلق جو روایات ملتی ہیں، ان کے مطالعے سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ بزرگ اتنے نیک طبع اور صالح فطرت تھے کہ اگر ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جاتی، تو وہ یقیناً اس دعوت کو نہ صرف یہ کہ قبول کرتے، بلکہ اس

کے سچے داعی اور مخلص ترین مبلغ بھی قرار پاتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت کا یہی تقاضا تھا کہ آپؐ کو بچپن ہی میں ان کے سائے سے محروم کر دیا جائے اور ان ہستیوں کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیا جائے' اس لیے بھی ان کا "معاملہ" مکمل طور پر سکوت کا متقاضی ہے.

مزید براں اسلام کی عمومی "تعلیمات" اور قرآن کریم کے حکیمانہ فلسفے کے ذریعے اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر شخص کے ساتھ مکمل طور پر عدل و انصاف کیا جائے گا اور عدل کے ترازو پر نہ صرف یہ کہ ان کے اعمال کو تولا جائے گا، بلکہ اس امر کا بھی جائزہ لیا جائے گا کہ آیا انہیں اسلام کی روشنی پہنچی تھی یا نہیں؟...... اس طرح وہ لوگ، جو اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے، اللہ تعالی کے ہاں نرمی اور رعایت کے مستحق قرار پائیں گے.

لیکن چونکہ اسلام کے "دور متوسطہ" میں وہ مسائل بھی زیر بحث لائے گئے،...... جن پر خاموشی اور سکوت بہتر تھا'...... جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپؐ کے بزرگوں کے نجات و عدم نجات کا مسئلہ بھی شامل ہے...... اس لیے اس بارے میں امت کا سکوت (خاموشی) والے مسلک پر اتفاق نہ رہ سکا.

(۲) معتوب ہونے کا مسلک

اس سلسلے میں دوسرا مسلک یہ ہے، کہ وہ (العیاذ باللہ) دور جاہلیت کے دوسرے لوگوں کی طرح بارگاہ خداوندی میں ماخوذ اور معتوب ہوں گے.

یہ نظریہ، چند روایات و آثار کی بنا پر پیدا ہوا اور غالباً یہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے دوران میں پیدا ہونے والے فروعی مباحث کی پیداوار ہے...... ایسی ہی روایات...... قاضی صاحبؒ کے زیر نظر رسالے کا موضوع ہیں اور قاضی صاحبؒ نے ان پر مفصل اور عمدہ بحث کی ہے.

اجمالی طور پر اگر ان روایات کا جائزہ لیا جائے تو انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک حصہ تو وہ ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی...... اور اللہ تعالیٰ سے مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت مانگی، مگر اجازت نہ دی گئی۔ علامہ جلال الدین السیوطی اور قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ وغیرہ حضرات کے نزدیک...... یہ روایت اگرچہ صحیح مسلم میں مروی ہے، لیکن محل نظر ہے 'اس لیے کہ اس میں قبر کا جو موقع و محل بیان ہوا ہے وہ درست نہیں ہے ' کیونکہ اکثر روایات کی رو سے آپؐ کی والدہ ماجدہ کی قبر مدینہ منورہ سے چند کوس کے فاصلے پر واقع مقام ابواء میں ہے، نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔ محققین کے نزدیک یہ راوی کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے، ممکن ہے کہ آپؐ نے جنت المعلیٰ (مکہ مکرمہ) میں اپنے کسی دوسرے مشرک عزیز کی قبر پر حاضری دی ہو اور راوی نے اسے آپؐ کی والدہ کی قبر سمجھ لیا ہو (اس پر مفصل بحث آپ کو متن کتاب میں نظر آئے گی).

دوسری قسم ایسی روایات کی ہے جن میں مذکور ہے کہ آپؐ نے بعض صحابہؓ کے ساتھ گفتگو کے دوران یہ فرمایا: "میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے"...... اس کے متعلق قاضی صاحبؒ اور بعض دوسرے محدثین کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا یہ ارشاد مبارک محض "توریہ" کے طریقے پر تھا، اس روایت پر بھی مفصل بحث آپ کو متن کتاب میں ملے گی.

جن محدثین اور مفسرین نے اس کی نظریئے کی صراحت کی ہے جن میں سے حسب ذیل تین بزرگ خصوصاً قابل ذکر ہیں:

پہلے بزرگ علامہ ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی (۳۸۴ھ/۹۹۴ء۔ ۴۵۸ھ/۱۰۶۶ء) ہیں ' جنہوں نے اپنی کتاب الحلیہ میں اس عنوان پر چند روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وکیف لا یکون ابواہ وجدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھٰذہٖ الصفۃ فی الآخرۃ وقد کانوا یعبدون الوثن حتیٰ ماتوا و لم یدّینوا دین عیسٰی بن مریم علیہ السلام وکفرھم لایقدح فی نسبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لان انکحۃ الکفار صحیحۃ (۳۰)

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ کے جد امجد کا آخرت میں یہ حال (مبتلاے عذاب ہونے کا) کیوں نہ ہو، اس لیے کہ یہ لوگ اپنی وفات تک بتوں کی پوجا کرتے رہے اور انہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کا دین بھی اختیار نہیں فرمایا' تاہم ان کے کفر سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پر حرف نہیں آتا۔ اس لیے کہ کفار کے نکاح صحیح ہوتے ہیں.

تاہم علامہ ابو بکر البیہقی کی جلالت قدر اپنی جگہ، لیکن یہاں یہ کہنا عین مناسب ہو گا کہ انہوں نے اس رائے کے حق میں جن دو دلائل کا ذکر فرمایا ہے، اہل بصیرت بخوبی جانتے ہیں کہ یہ دونوں دلائل کمزور ہیں، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا "بت پرستی" کرنا کسی مستند دلیل سے ثابت نہیں ہے اور محض کیسی معاشرے کے بگاڑ سے ان کی بت پرستی پر استدلال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں' خصوصاً اس لیے کہ اسی معاشرے میں موحدین کی بہت بڑی جماعت موجود تھی، جو شرک و بدعات متنفر تھی۔ ان حالات میں محض استصحابِ حال کو ان کے "شرک" کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا.

رہا ان کا یہ کہنا کہ وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے...... بادی النظر میں یہ اعتراض اتنا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ امام البیہقیؒ جیسا شخص بھی اس کی کمزوری کو نہیں بھانپ سکا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اناجیل اربعہ اور نص قرآنی کے مطابق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا دائرہ صرف خاندان بنی اسرائیل تک محدود تھا چنانچہ سورۃ الصّف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ...... (۳۱)

اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب (حضرت) عیسیٰ بن مریم نے کہا "اے اولاد یعقوب" یقیناً میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں.

اس لیے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں پر، امام البیہقیؒ کا یہ اعتراض محض "اعتراض برائے اعتراض" کی حیثیت رکھتا ہے.

دوسری جلیل القدر شخصیت، جس نے اس موقف کا اثبات کیا ہے، علامہ ابن کثیرؒ کی ہے وہ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ان مقدس بزرگوں کا تذکرہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

واخبارہ عن ابویہ و جدہ عبدالمطلب بانھم من اھل النار لا ینافی الحدیث الواردۃ عنہ من طرق متعددۃ ان اھل الفترۃ والاطفال والمجانین والصمّ یمتحنون فی العرصات یوم القیامۃ کما بسطناہ سنداً ومتناً فی تفسیرنا عند تفسیر قولہ تعالیٰ وَمَاکُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلاً ...... فیکون منھم من یجیب ومنھم من لا یجیب فیکون

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے والدین اور اپنے جد امجد جناب عبدالمطلب کے بارے میں یہ خبر دینا کہ وہ دوزخی ہیں، اس حدیث کے منافی نہیں ہے جو کئی طریقوں سے مروی ہے، جس میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن زمانہٗ فترت کے لوگوں، بچوں، دیوانوں اور بہروں کا امتحان لیا جائے گا، جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں ارشاد باری تعالیٰ "ہم اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیں گے،

منهم من يجيب ومنهم من لا يجيب فيكون هؤلاء من جملة من لا يجيب ملا منافاة ولله الحمدو المنّة...... (۳۲)

جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیج دیں" کی تفسیر کے تحت پوری تفصیل سے، اس روایت کی سند اور متن پر بحث کر آئے ہیں۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ مثبت جواب دیں گے اور کچھ جواب نہیں دیں گے اور یہ لوگ (آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اجداد) ایسے افراد میں شامل ہوں گے جو جواب نہیں دیں گے، لہذا (انجام کے اعتبار سے) دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے.

اس عبارت میں، علاّمہ ابن کثیرؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں اپنے خیال میں "دونوں طرح" کی روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن افسوس کہ انہوں نے شک کا فائدہ "ملزمان" کو دینے کے بجائے "مدعیوں" کو پہنچایا ہے حالانکہ اصول یہ ہے کہ، شک کا فائدہ "ملزمان" ہی کو دیا جاتا ہے.

اگر اللہ تعالیٰ نے روز محشر کو "اہل فترت" سے امتحان لینے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے سے ابو جہل، عتبہ اور شیبہ کے بزرگوں کو فائدہ پہنچے گا، تو ہادی امم، سرور کون و مکان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اس رعایت اور سہولت سے کیوں محروم رہیں گے ؟ان پاکیزہ خصلت اور نیک نہاد لوگوں سے، جن کے بارے میں سیرت و تاریخ کی کتابوں میں...... اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور شرک کا ایک واقعہ بھی روایت نہیں کیا گیا، وہ کونسی خطا سرزد ہوئی ہے جس کی بنا پر یہ بزرگ اس رعایت اور اس استحقاق سے محروم رہیں گے اور ان کے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا

ہونا اور ان کا دنیا کی مقدس ترین ہستی کی تربیت اور پرورش کرنا بھی ان کے کام نہ آئیگا؟

الغرض علامہ ابن کثیرؒ کی جلالت قدر اور بلند مرتبی کے باوجود، یہ کہنا پڑتا ہے، کہ اس جگہ انہوں نے نہ تو انصاف ہی سے کام لیا ہے اور نہ ہی خاندان نبوت کے مقام ورتبے کو پیش نظر رکھا ہے۔

تاریخ اسلام میں تیسری شخصیت جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے عدم نجات کا عقیدہ رکھنے کی بنا پر معروف ہے 'نامور بزرگ ملا علی قاریؒ کی ہے، جنہوں نے بڑی شدومد کے ساتھ اپنا یہ نظریہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین (العیاذ باللہ) مبتلائے عذاب ہوں گے۔ (۳۳) ملا علی قاریؒ نے اس بارے میں کوئی نئی دلیل نہیں دی، بلکہ اپنے سے پیشتر علماء کے خیالات ہی کو نقل کر دیا ہے۔

۳۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور بزرگوں کے نجات یافتہ ہونے کا مسلک:

اس سلسلے میں، تیسرا اور اہم ترین مسلک، جو مذکورہ بالا مسلک (دوم) کے ردّ عمل کے طور پر پیدا ہوا، یہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام بزرگ اور آپؐ کے والدین نجات یافتہ ہیں۔

اس مسلک کا سب سے پہلے کھل کر اظہار تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسوی میں اس وقت ہوا جب بعض لوگوں نے یونانی علوم کے تحت نت نئے مباحث و مسائل کو موضوع سخن بنایا...... جس میں آنحضور صلی علیہ وسلم کے والدین سعیدین کی عدم نجات کا موقف بھی شامل تھا۔ ردّ عمل کے طور پر بہت سے علماء نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "والدین کے "نجات یافتہ" ہونے کے موقف کی ترجمانی کی، یہی جلیل القدر ائمہ اہل سنت کا مسلک ہے، جیسا کہ علامہ الآلوسی، صاحب روح المعانی نے اس کی تصریح کی ہے (۳۴)۔

سب سے پہلی شخصیت جس نے یہ آواز بلند کی، وہ حافظ عبدالرحمٰن السھیلی (م ۵۰۸ھ / ۱۱۱۴ء) شارح ''السیرۃ النبویہ ...... لابن ہشام ...... کی ہے، جنہوں نے اپنی کتاب الروض الانف میں، امام ابو بکر البیہقی کے مذکورہ بالا قول کو نقل کرنے کے بعد، حسب ذیل عبارت لکھی ہے:

وليس لنا ان نقول نحن هذا فی ابويه صلّى الله عليه وسلم لقوله عليه السلام لا تؤذوا الاحياء بسبب الاموات والله عّزوجل يقول اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (۳۵)

اور ہمارے لیے یہ مناسب نہیں ہے، کہ ہم آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ بات کہیں۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زندوں کو مردوں کی بنا پر اذیت نہ دو اور اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں ''بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے''۔

اس کے بعد علامہ السھیلیؒ نے حدیث احیاء کا ذکر کیا ہے، جس سے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور بزرگوں کی نجات یافتہ ہونے کا اثبات ہوتا ہے۔

علماء نے اس موقف کو ثابت کرنے کے لیے کئی عنوانات یا مسالک اختیار کیے گئے ہیں، انہی مسالک کو علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے اپنی کتاب مسالك الحنفاء فی والدی المصطفیٰ میں جمع کیا ہے، السیوطیؒ کے مطابق اس بارے میں علمانے حسب ذیل مسالک اپنائے ہیں:

(الف) زمانہ فترت میں ہونا:

بہت سے علمائے کرام نے اس کا سبب ان بزرگوں کے زمانہ فترت (دور انقطاع نبوت) میں ہونے کو قرار دیا ہے' اس لیے کہ ان بزرگوں کا بعثت نبوی سے پہلے انتقال ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اصول یہ ہے کہ وہ اس وقت تک کسی کو مبتلائے عذاب نہیں کرتا، جب تک اپنا رسول نہ بھیج دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا(۳۶) اور ہم (کسی کو) اس وقت تک عذاب نہیں دیتے، جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔

یہ دلیل سب سے پہلے شیخ الاسلام علامہ عبدالروف المناویؒ (۹۵۲ھ-۱۰۳۱ء) نے پیش کی، چنانچہ ایک مرتبہ ان سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق سوال کیا گیا۔ اس پر ان کے اور سائل کے درمیان گرما گرم بحث ہوئی۔ سائل نے پوچھا کیا ان کا اسلام لانا ثابت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ان کا انتقال زمانہ فترت میں ہو گیا تھا اور اس وقت انتقال کرنے والوں کے لیے کوئی سزا ہی نہیں ہے(۳۷)

اسی طرح نامور محقق علامہ سبط ابن الجوزیؒ (۵۷۲ھ-۶۵۴ء) نے اپنی کتاب مراۃ الزمان میں علماء کی ایک جماعت کی طرف اسی قول کو منسوب کیا ہے.

انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے کے متعلق حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وما کنّا معذّبین حتّی نبعث رسولاً۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تک اسلام کی دعوت ہی نہیں پہنچی، (پھر) ان دونوں کا کیا گناہ ہے؟(۳۸)

اسی طرح علامہ ابی (ابو عبداللہ محمد بن خلف..... الوشتانی المالکی، صاحب اکمال المعلم لفوائد کتاب مسلم ' م ۸۲۷ھ) نے اپنی کتاب شرح صحیح مسلم میں بھی اسی

رائے کا اظہار کیا ہے۔

اسی طرح نامور محدث اور محقق حافظ ابن حجرؒ العسقلانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ) نے بھی لکھا ہے:

والظن بآبائه صلّى الله عليه وسلم يعنى الّذين ماتوقبل البعثة انهم يطيعون عند الامتحان اكراماً لهم لتقرّ بهم عينه (۳۹)

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی بزرگوں یعنی ان لوگوں کے بارے میں جو بعثت سے قبل انتقال کر گئے گمان یہ ہے ان کا امتحان لیا جائے گا، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کریں گے۔ یہ سب کچھ ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ہوگا اور تاکہ ان کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

علامہ السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے الاصابہ میں دیکھا کہ حافظ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

"کئی طریقوں سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ قیامت کے دن سٹھیا جانے والے بوڑھے ایسے لوگ جو زمانۂ فترت میں انتقال کر گئے ہیں اور جو پیدائشی طور پر بہرے، اندھے اور گونگے ہوں یا جو شخص دیوانہ پیدا ہوا یا اس پر بالغ ہونے سے پہلے دیوانگی طاری ہو گئی ہو اسی طرح کے دوسرے لوگوں کا اتمام حجت کے لیے امتحان لیا جائے گا (اور اگر وہ یہ کہہ دیں گے کہ) اگر میں سمجھ دار ہوتا، یا مجھے نصیحت کی جاتی تو میں بالضرور ایمان لے آتا تو ان کے سامنے جہنم لائی جائے گی اور انہیں کہا جائے گا اس (جہنم) میں داخل ہو جاؤ۔ پھر جو کوئی اس میں داخل ہو گیا تو وہ اس کے لیے ٹھنڈی اور

سلامتی والی بن جائے گی اور جو کوئی اس میں (خوشی سے) داخل نہ ہوگا اسے جبراً داخل کیا جائے گا"

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے تمام طرق کو ایک جزو (رسالے) میں جمع کر دیا ہے۔اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اور ہم امید رکھتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب اور ان کے خاندان کے دوسرے لوگ اس میں (امتحان کے وقت) خوشی سے داخل ہونے والوں میں شامل ہوں گے، سوائے ابو طالب کے، اس لیے کہ انہوں نے بعثت نبوی کا زمانہ پایا ہے، مگر ایمان قبول نہیں کیا اور (صحیح) حدیث سے ثابت ہے کہ وہ ہلکی آگ (ضحضاح) میں ہوں گے"۔(۴۰)

علامہ السیوطیؒ نے اس مسلک کے حق میں چھ قرآنی آیات اور سات احادیث نبویہ سے بھی استدلال کیا ہے، جن سے زمانۂ فترت کے لوگوں کے بارے میں صراحت ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا اور وہ امتحان کے بغیر جہنم کے سزاوار ہوں گے اور نہ جنت کے، جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی قوم پر اتمام حجت نہ فرما لیں گے۔اس وقت تک اسے عذاب نہ دیں گے۔ (۴۱)

علامہ السیوطیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا یہ مسلک صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جن تک دین کی دعوت نہیں پہنچی اور جو لوگ "دعوت دین" ملنے کے باوجود اس سے کنارہ کش رہے، ان کا حکم اس سے مختلف ہوگا۔ (۴۲)

(ب) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ملت حنیفیہ کا حامل ہونا:

جو لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "والدین" کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ نجات یافتہ ہیں، ان میں سے کچھ علماء کا یہ خیال ہے کہ ایسا اس لیے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ملت حنیفیہ کے حامل اور اس پر عامل تھے، جیسے کہ

کتب تاریخ میں زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل کے بارے میں آتا ہے، مفسرین میں سے یہ مسلک علامہ فخر الدین الرازیؒ نے اختیار فرمایا، چنانچہ وہ اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ تھا، بلکہ ان کا چچا تھا" پھر اس پر انہوں نے متعدد دلائل دیئے ہیں جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: اَلَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ ٥ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ (وہ ذات جو تجھے اس وقت دیکھتی ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ گزاروں میں)[۴۳] بعد ازاں بعض لوگوں کے حوالے سے لکھا ہے' کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ایک سجدہ گزار سے دوسرے سجدہ گزاروں میں منتقل ہوتا رہا[۴۴] لہذا یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد مسلمان تھے، جس سے یہ بات قطعی ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کافر نہ تھے وہ تو ان کا چچا تھا، ماسوا اس کے کہ آیت مبارکہ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْن کو دوسری تاویلات پر محمول کیا جائے".

اس کے بعد امام رازیؒ لکھتے ہیں:

اور اس بات کی دلیل کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد بت پرست نہ تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے، کہ: آپؐ نے فرمایا:

ولم ازل انقل من اصلاب الطاھرین	اور میں پاکباز مردوں سے، پاک دامن
الی ارحام الطاھرات	عورتوں کی رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا.

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَس" (بیشک مشرک پلید ہیں") اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا.[۴۵]

اس مسلک کی تائید میں علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے دو مقدمات قائم

فرمائے ہیں:

اول: یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک بزرگ، حضرت آدمؑ سے لیکر جناب عبداللہ تک اپنے زمانے میں سب سے بہتر اور سب سے افضل شخص تھا.

دوم: یہ کہ کئی روایات اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک کوئی زمانہ بھی ایسے لوگوں کے وجود سے خالی نہیں رہا جو فطرت اصلیہ پر قائم نہ رہے ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے، ایک سمجھتے اور اپنے پروردگار کے سامنے نماز ادا کرتے تھے۔ انہی لوگوں کی وجہ سے یہ زمین تباہی سے محفوظ رہی اور اگر وہ لوگ نہ ہوتے، تو یہ زمین اور جو لوگ اس کی پشت پر موجود ہیں، کبھی کے فنا ہو چکے ہوتے۔

ان دونوں مقدمات کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں سے کوئی بھی شخص مشرک نہ تھا"...... (۴۶)

بعد ازاں علامہ السیوطیؒ نے اپنے ان دونوں مقدمات کے حق میں بہت سی روایات سے استدلال کیا ہے، جن میں سے بیشتر احادیث اور آثار کا تذکرہ آپ "متن کتاب" میں (آئندہ) مطالعہ فرمائیں گے۔ اسی طرح دوسرے مقدمہ کے ضمن میں بھی علامہ السیوطیؒ نے مختلف روایات اور آثار کا تذکرہ کیا ہے، مثال کے طور پر ابتدا میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ انہوں نے فرمایا:

لم یزل علی وجه الدّهر فی الارض سبعة مسلمون فصاعدا فلولا ذالك لهلكت الارض ومن علیها...... رواه عبدالرزاق فی المصنف۔ (۴۷)

روئے زمین پر ہر زمانے میں سات یا اس سے زیادہ لوگ ہمیشہ مسلمان رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اس کے رہنے والے تمام لوگ ہلاک کر دیئے جاتے۔

اس عنوان پر علامہ السیوطی کی نقل کردہ اکثر روایات کا تذکرہ بھی قاضی

صاحبؒ نے اپنے رسالے میں کیا ہے۔

(ج) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق استغفار کی اجازت نہ ملنے والی روایات کا تجزیہ:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے "ناجی" (نجات یافتہ) ہونے کے حوالے سے، اب تک جو بحث ہوئی، وہ (مثبت) پہلو سے تھی ' جبکہ اس کا دوسرا پہلو بھی اہمیت کے لحاظ سے کم نہیں ہے ' جس کی وجہ یہ ہے کہ اس موقف کی مخالفت میں بہت سی احادیث اور روایات نقل کی جاتی ہیں ' ان روایات پر علامہ جلال الدین السیوطیؒ سے لیکر قاضی پانی پتیؒ تک ہر دور کے علماء اور محدثین نے بحث کی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ جلال الدین السیوطیؒ کے زمانے میں ان روایات کے حوالے سے، ان کے فکری مخالفین کا شور شرابا بہت بڑھ گیا تھا ' اسی لیے علامہ السیوطیؒ لکھتے ہیں:

المحادلون فی ھذاالزمان کثیر خصوصاً فی ھذہ المسئلہ واکثرھم لیس لھم معرفة بطرق الاستدلال' فاالکلام معھم ضائع (۴۸)

ہمارے اس زمانے میں، خصوصاً اس مسئلے میں ' بحث کرنے والے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے بیشتر افراد کو طریقہ ہائے استدلال کا بھی علم نہیں ہے ' لہذا ان کے ساتھ بحث میں الجھنا ہی فضول ہے۔

تاہم اہل علم کے سامنے اتمام حجت کے لیے علامہ السیوطیؒ نے ان کے ساتھ نصب میدان جدلی (مناظرانہ میدان) کے عنوان سے حسب ذیل طریقے پر استدلال کیا ہے:

"ہمارے مخالفین میں سے زیادہ تر لوگ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں صحیح حدیث

سے تمہارے اس دعوے کے برخلاف ثابت ہوتا ہے۔

اگر تو یہ کہنے والا ہمارا ہم مسلک ہو، یعنی شافعی المسلک ہو، تو میں اس سے کہوں گا کہ صحیح مسلم میں، صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ”نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں پڑھی اور تم بسم اللہ پڑھے بغیر نماز کو درست نہیں مانتے اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ آنخضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:”امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ تم اس کی اقتداء کرو' لہذا تم اس سے اختلاف نہ کرو، اگر وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، مگر” جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے، تو تم اسی کی طرح سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہو(اقتدا نہیں کرتے) اور جب وہ کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو تم اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہو، بیٹھ کر نہیں پڑھتے (اس طرح امام کی مخالفت کرتے ہو)......اسی طرح صحیحین کی حدیث تیمّم میں ہے ”تجھے کافی ہے کہ تو اپنے ہاتھ سے اس طرح کرے“ پھر آپؐ نے اپنا ہاتھ ایک مرتبہ زمین پر مارا اور بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کا اور دونوں کی پشت اور چہرے کا مسح کیا' جب کہ تم تیمّم میں ایک مرتبہ ہاتھ مارنے کو کافی نہیں سمجھتے اور نہ ہی ہاتھوں کے گٹوں تک مسح کو کافی خیال کرتے ہو' سو تم نے ان احادیث کی' جو صحیحین میں ہیں یا دونوں میں سے ایک میں ہیں' کیوں مخالفت کی؟ پھر اگر اس کے پاس ذرہ برابر بھی علم ہوگا، تو وہ کہہ اٹھے گا کہ ”ہمارے پاس ایسی دلیلیں ہیں“ جو ان کے خلاف اور ان پر مقدم ہیں (لہذا ہم ان حدیثوں پر عمل نہیں کرتے) تو میں اس کے جواب میں کہوں گا بجا' زیر بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے“ اس پر اسی طریقے سے حجت قائم کی جاتی ہے' اس لیے کہ

یہ دلیل اسے اور اس جیسی اور دلیلوں کو لازم کرنے والی ہے۔

اور اگر ہمارے ساتھ مباحثہ کرنے والا مالکی المذہب ہو، تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے: صحیحین میں ہے، کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: البیعان بالخیار مالم یتفرقا (بیع کرنے والے، جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں، انہیں بیع فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے) اور تم لوگ خیار مجلس کو درست نہیں سمجھتے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے پورے سر کا مسح نہیں کیا مگر تم لوگ وضو میں پورے سر کا مسح لازم قرار دیتے ہو، تو تم نے صحیح مسلم میں وارد شدہ صحیح حدیث کی مخالفت کیوں کی؟ اس پر وہ کہے گا کہ اس کے بالمقابل ایسی دلیلیں ہیں جو ان کی معارض اور ان پر مقدم ہیں، تو ہم بھی یہاں کہتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

اور اگر ہمارا مخالف حنفی المسلک ہو، تو ہم اس سے کہیں گے کہ صحیح حدیث میں ہے، کہ "جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے، تو تم اسے سات مرتبہ دھوؤ" اور تم لوگ کتے کی نجاست میں سات بار دھونے کو ضروری نہیں سمجھتے اور صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس شخص کی نماز درست نہیں ہوتی، جو نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے" مگر تم لوگ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز کو صحیح قرار دیتے ہو۔ اسی طرح صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اور پھر تو اپنا سر اٹھا، یہاں تک کہ تو بالکل سیدھا ہو جائے" مگر تم لوگ اعتدال میں طمانیت کے بغیر نماز کو صحیح قرار دیتے ہو اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ "جب پانی دو قلوں (بڑے مٹکوں) تک پہنچ جائے تو وہ گندگی نہیں اٹھاتا" مگر تم لوگ

قلتین کا اعتبار نہیں کرتے اور صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدبرؔ غلام کو فروخت فرمایا: "مگر تم لوگ مدبر کی بیع صحیح نہیں سمجھتے۔ ان باتوں کے جواب میں وہ کہے گا کہ ہمارے پاس ایسی دلیلیں ہیں جو ان کی معارض ہیں، جن کی بنا پر ہم نے انہیں ان پر مقدم کر دیا تو ہم یہاں بھی یہی کہیں گے۔

اور اگر ہمارا مخالف حنبلی المسلک ہو، تو ہم اس سے کہیں گے کہ صحیحین میں ہے، کہ آپؐ نے فرمایا: "جس نے شک والے دن روزہ رکھا، اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی" اور صحیحین میں ہے کہ "رمضان المبارک سے پہلے ایک یا دو دن کے روزے (مت) رکھو" مگر تم لوگ شک والے میں روزہ رکھنے کے قائل ہو تو تم نے صحیحین کی حدیث کی مخالفت کیوں کی؟ تو وہ کہے گا کہ اس کے مقابلے میں ہمارے پاس ایسی دلیلیں ہیں جو ان کی معارض ہیں، لہذا ہم نے انہیں ان پر مقدم کر دیا، تو ہم بھی یہی کہیں گے کہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔

اور اگر بحث کرنے والا شخص ایسا ہو، جو محدث تو ہو، مگر فقیہ نہ ہو، تو ہم کہیں گے کہ "قدماء کہہ گئے ہیں، کہ فقہ کے بغیر حدیث بیان کرنے والا ایسے ہے جیسے کوئی عطار جو طبیب نہ ہو، کہ اس کے پاس تمام ادویات تو موجود ہیں مگر اسے یہ علم نہیں ہے کہ اس کی کونسی دوا کس مرض کے لیے بہتر ہے اور فقیہ، جو حدیث نہ جانتا ہو ایسے ہے کہ جیسے کوئی طبیب جو عطار نہ ہو کہ اسے یہ علم تو ہو کہ کونسی دوا کس مرض میں فائدہ دیتی ہے، مگر اس کے پاس ادویہ ہی موجود نہ ہوں"۔(۴۹)

اس طرح علامہ السیوطیؒ نے ہر موقف و مسلک کے حامل لوگوں پر اتمام حجت

کیا ہے.

(د) آنحضور صلیٰ اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کا مسلک:

اس سلسلے میں تیسرا مسلک یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور وہ آنحضور صلیّ اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے (اور پھر اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا).

بقول علامہ السیوطیؒ یہ مسلک بہت سے علماء نے اختیار فرمایا، جن میں ابن شاہین، حافظ ابو بکر الخطیب البغدادی، علامہ عبدالرحمان السہیلی، القرطبی، محبّ الطبری، اور علامہ ناصر الدین بن المنیر وغیرہ قابل ذکر ہیں.

اس بارے میں محدثین اور سیرت نگاروں نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے (اور جسے قاضی صاحب نے بھی اپنے رسالے میں درج فرمایا ہے) اسے خطیب البغدادی (السابق واللاحق) الدار قطنی اور ابن عساکر نے ''غرائب مالک'' میں، ایک ضعیف سند کے ساتھ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے.

اس ''احیائے والدین نبوی'' والی حدیث کو علامہ السیوطیؒ نے، محدثین کے اتفاق کے ساتھ ضعیف، بلکہ موضوع قرار دیا ہے، مگر انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے خیال میں یہ روایت موضوع نہیں، بلکہ ضعیف ہے اور یہ کہ انہوں نے اس حدیث کی توضیح وتشریح کے لیے ایک مستقل جزو (رسالہ) لکھا ہے (۵۰).

نامور محدث اور مفسّر علامہ القرطبیؒ نے لکھا ہے کہ حدیث ''احیاء، اور آنحضور صلیّ اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت پر مشتمل حدیث کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ آپؐ کے والدین کا احیاء کا واقعہ بعد میں پیش آیا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث کی مطابق، احیاء کا واقعہ حجۃ

الوداع کا ہے' اسی لیے ابن شاہین نے اسے سابقہ احادیث وروایات کے لیے ناسخ قرار دیا ہے (۵۱).

علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے احیاء کا واقعہ شرعاً اور مثلاً ناممکن نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن حکیم میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں (۵۲).

تاہم اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے کے بیان پر مشتمل جتنی بھی روایات ہیں، جن کا تذکرہ علامہ السیوطیؒ کی اتباع میں اس کتابچے کے مؤلف، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بھی کیا ہے، وہ تمام کی تمام ضعیف اور انتہائی کمزور ہیں' قریباً تمام کی اسناد میں کوئی نہ کوئی کمزوری اور خرابی موجود ہے' اسی لیے ان روایات کو کسی بھی مستند مجموعۂ حدیث میں روایت نہیں کیا گیا' البتہ ان عنوان پر لکھنے والے علماء نے ان روایات سے تائید و توثیق کا کام ضرور لیا ہے' لیکن ہمارے خیال میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کا مسئلہ 'اس قسم کی کمزور یا ضعیف روایات کا محتاج نہیں ہے' اس کے برعکس یہ مسئلہ قرآن وسنہ کی بعض قطعی نصوص سے واضح ہو جاتا ہے.

(ھ) علامہ الآلوسی کا موقف:

سب سے آخر میں نامور محقق اور خاتم المفسرین، علامہ الآلوسیؒ کا موقف پیش کرنا مناسب ہوگا کہ انہوں نے ایسے شخص کے متعلق جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم کے ''والدین'' کے بارے میں کفر کا عقیدہ رکھتا ہے، کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ علامہ الآلوسی، مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

واستدل بالآية على ايمان ابويه صلى الله عليه وسلم كما ذهب اليه كثير	اور اس آیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال

من اهل السنه وانا اخشى الكفر على من يقول فيهما رضى الله عنهما على رغم انف على القارى واضرابه بضد ذالك الانى لا اقول لحجية الاية على هذا المطلب (۵۳)

کیا گیا ہے، جیسا کہ بہت سے جلیل القدر ائمہ اہل سنت کا یہی مسلک ہے اور میں ملا علی قاری اور ان جیسے لوگوں کے برخلاف یہ کہتا ہوں کہ مجھے اس شخص کے متعلق کفر کا خدشہ ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کوئی ناپسندیدہ بات (کفر وغیرہ کی) کہے۔ البتہ میں اس آیت کی، اس مضمون پر حجیت کا دعویٰ بھی نہیں کرتا۔

۔ تجزیہ:

جہاں تک زیر بحث مسئلے میں، مذکورہ مسالک کے تجزیے کا تعلق ہے، تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس بارے میں درست ترین مسلک یہ ہے کہ اول تو سکوت (خاموشی) اختیار کی جائے، اس لیے کہ اس بارے میں جمہور کا یہی مسلک ہے اور پھر اس لیے بھی کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے، جس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے اور ایسے مسائل میں قرآن حکیم کا بھی یہی حکم ہے کہ خاموشی ہی اختیار کی جائے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ (۵۴)

دیکھو! ایسی بات میں تم نے جھگڑا کیا ہی تھا، جس کا تمہیں کچھ علم بھی تھا، مگر تم ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو، جس کا تم کو کچھ علم نہیں۔

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب یہودیوں نے حضرت ابراھیمؑ کو

یہودی اور عیسائیوں نے عیسائی قرار دیا' زیر بحث صورت بھی ایسی ہی ہے' اس لیے یہاں بھی خاموشی ہی بہتر اور مناسب ہے۔

اور اگر کبھی زبان کھولنا ہی پڑے تو پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے صاحب ایمان اور نجات یافتہ ہونے کا نظریہ اختیار کیا جائے کہ اسی میں بہتری اور بھلائی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ بزرگ زمانۂ فترت میں گزرے ہیں اور ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن حکیم میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا' اس کے بعد کیا صورت ہوگی، اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے.

۵۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ کی کتاب "تقدیس والدین مصطفیٰ ﷺ"

(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا دینی مقام و رتبہ) پر تبصرہ

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) اپنے دور کے نمایاں محدث و مفسر ہی نہیں، بلکہ اپنے زمانے میں تحریک نشاۃ ثانیہ کے بہت بڑے رہنما اور قائد بھی تھے...... جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی یہ تحریک حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شروع کی تھی اور اسے امام العصر شاہ ولی اللہ محدثؒ اور شیخ طریقت مرزا مظہر جان جاناں محدثؒ نے اپنے شاگردوں، اپنی تصانیف اور اپنے مکتوبات کے ذریعے نیا روپ اور نیا جذبہ عطا کیا تھا' قاضی صاحبؒ اسی تحریک میں پوری طرح ان بزرگوں کے ساتھی' ان کے "ہم نوا" اور ہمسفر"..... تھے' اسی لیے انہوں نے اپنی کتابوں کے موضوعات زیادہ تر اسی تحریک سے انتخاب فرمائے اور جیسا کہ ابتداءً ذکر ہوا، زیر نظر کتابچہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے.

موضوع کی اہمیت و عظمت کی بنا پر علمائے سلف میں سے متعدد بزرگوں نے اس عنوان پر مستقل کتابیں اور رسائل تصنیف و تالیف فرمائے' جن میں سے امام السیوطیؒ کے رسالے پر گذشتہ اوراق میں بحث کی جا چکی ہے.

بہر حال کچھ تو اس تحریک کا اثر تھا اور کچھ خاندان نبوی سے' قاضی صاحبؒ کا قلبی لگاؤ ' بلکہ جھکاؤ کا نتیجہ تھا کہ قاضی صاحبؒ نے خاندان نبوت سے متعلق کئی رسالے تصنیف فرمائے (۵۵) جن میں زیر بحث رسالہ بھی شامل ہے۔ (۵۶)

قاضی صاحب کے یہ رسالے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل سے لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی بزرگوں اور آپؐ کے خاندان کے پاکیزہ تذکرے سے معطر ہیں' جس سے دراصل وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں اور آپ کی اولاد، آپؐ کی ازواج مطہرات اور آپؐ کے خاندان کے لوگوں سے محبت نہ کی جائے اور ان کی انتہائی درجے میں تعظیم و تکریم نہ کی جائے، اس وقت بندہ کے ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

(۲)۔ مضامین پر ایک نظر:

قاضی صاحبؒ کے اس کتابچے کی قدر و اہمیت کا اندازہ تو اس کے مطالعے سے ہی کیا جا سکتا ہے' البتہ یہاں اگر اس کے مضامین پر ایک نظر ڈال لی جائے تو مناسب ہو گا۔

یہ کتابچہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ' اس عنوان پر علامہ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) کے رسائل، خصوصاً مسالک الحنفاء کی تلخیص پر مشتمل ہے ' جسے فاضل مؤلف نے ضروری رد و بدل کے ساتھ پیش کیا ہے ' اس کتابچے کو ہم آسانی کے ساتھ چھ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ' جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف)۔ خطبۂ مؤلف:

قاضی صاحبؒ نے اپنے اس کتابچے کے لیے مختصر ' مگر جامع خطبہ تحریر کیا ہے ' جس میں قاضی صاحبؒ نے حمد و صلوٰۃ مسنونہ کے بعد، اپنے اس رسالے کی تصنیفی غرض و غایت تحریر کی ہے ' وہ لکھتے ہیں:

وبعد فهذه رسالة فی اثبات ایمان آبائه صلی الله علیه وسلم (۵۷)	یہ کتابچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد کے ایمان کے اثبات پر مشتمل ہے۔

(ب)۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی و خاندانی فضائل:

یہ حصہ تقریباً دو صفحات پر مشتمل ہے (۵۸) اور اس کی حیثیت اس کتاب کے لیے مقدمے اور تمہید کی سی ہے۔ اس حصے میں قاضی صاحبؒ نے صحاح ستہ سے، تقریباً چھ احادیث نقل کی ہیں، جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں اور آپؐ کے خاندان کے فضائل و مناقب واضح ہوتے ہیں۔ ان روایات کے ذریعے فاضل مؤلفؒ بتانا چاہتے ہیں کہ ان روایات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بزرگوں اور اپنے خاندان کے لیے جو اصطفیٰ، خیر" الطاہر اور افضل وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں ان کا اطلاق کسی غیر مسلم پر نہیں ہو سکتا، یہی استدلال علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے اپنی کتاب مسالک الحنفاء میں پیش کیا ہے، البتہ دونوں کے الفاظ مختلف ہیں، مثلاً السیوطیؒ نے لکھا ہے:

ومن المعلوم ان الخیریة والاصطفاء والاختیار من الله والافضیلة عنده لا تکون مع الشرك (۵۹)	اور یہ بات معلوم و مسلم ہے، کہ لفظ خیر (اچھا) اصطفاء (انتخاب) اختیار (پسندیدگی) اور اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل ہونا شرک کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

جبکہ قاضی صاحبؒ نے یہی مفہوم حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

ولاشك ان اطلاق الافضل والخیر والا صطفاء والطاهر لایجوز علی الکفار (۶۰)	اور بے شک افضل، خیر، اصطفاء اور طاہر کا اطلاق غیر مسلموں کے لیے جائز نہیں ہے۔

(ج) کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد مومن تھے؟

اس کتابچے کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہم ہے اس حصے میں قاضی صاحبؒ نے مختلف روایات کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جناب عبدالمطلب تک مؤمن تھے (جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے)۔ یہ حصہ تقریباً (عربی متن) کے چار صفحات پر مشتمل ہے (۶۱) اس حصے میں قاضی صاحبؒ نے زیادہ تر "اخباری" نوعیت کی روایتوں سے استدلال کیا ہے...... ان روایات کا علمی پایہ اگرچہ کمزور ہے، لیکن، ان کی اساس جن روایات پر ہے، (یعنی اس خاندان کی فضیلت اور بزرگی پر مشتمل روایات پر) ان کا درجہ یقیناً بہت بلند ہے۔ یہ حصہ بھی علامہ السیوطیؒ کے مذکورہ رسالے کے ایک حصے کی تلخیص ہے (۶۲)۔

اس مقام پر ایک اصولی بحث بھی ضمناً آگئی ہے وہ یہ کہ کیا حضرت ابراہیمؑ کے والد آزر تھے یا تارخ؟ چونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کو مشرک بتایا گیا ہے اور ان کا نام آزر مذکور ہے، اس لیے یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ ان کے والد آزر تھے یا تارخ۔ قاضی صاحبؒ نے اسی موقف کی تائید کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ تھے اور آزر ان کے چچا کا نام تھا اور یہ کہ پیغمبر کا والد کافر نہیں ہو سکتا.

(د) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کا اثبات

کتاب کا سب سے جاندار اور اہم ترین حصہ وہ ہے، جس میں قاضی صاحبؒ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ کے ایمان کا اثبات کیا ہے۔ اس پر انہوں نے جو مستقل عنوان کے تحت بحث کی ہے، اس کی وجہ انہوں نے یہ لکھی ہے کہ:

بقی الکلام فی ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن عبدالمطلب و آمنہ بنت وھب ولولا من الاحادیث ما یدل علی خلاف ما ادعینا مااحتجنا الی فی ھذہ المقال ولنقصد بالجواب عنھا والتاویل ثم لنذکر ما یفید المطلوب (۶۳)

اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جناب عبداللہ اور آمنہ بنت وھب کے بارے میں بحث رہ گئی اور اگر ہمارے دعویٰ کے خلاف دلالت کرنے والی احادیث موجود نہ ہوتیں۔ تو ہم اس مقالے میں اس بارے میں تفصیلی بحث نہ کرتے، اس لیے ہم پہلے ان روایات کا جواب اور ان کی تاویل بیان کریں گے اور پھر وہ روایات بیان کریں گے جو ہمارے دعوے کے لیے فائدہ مند ہیں۔

اس حصے میں قاضی صاحبؒ نے اولاً تو ان روایات اور احادیث کا تذکرہ فرمایا ہے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ”نجات یافتہ“ نہ تھے اور ان کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ ان میں سے ایک روایت صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ بعض کتب حدیث میں یہ روایت بھی مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری صحابیؓ سے فرمایا تھا کہ ”تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ ہے“، جس سے بظاہر اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ قدسیہ ”غیر نجات یافتہ“ تھیں۔ بعد ازاں فاضل مؤلفؒ نے مختلف تاریخی اور تحقیقی پہلوؤں سے واضح کیا ہے کہ مذکورہ روایات یا تو قابل تاویل ہیں' یا پھر ان کا جو حصہ متفق علیہ ہے' اس پر عمل کیا جائے گا، جو صرف یہ ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ قدسیہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر آپؐ روئے، استغفار کی اجازت مانگی، مگر اس وقت اجازت نہ ملی (اور بعد

میں اجازت مل گئی)"۔

اس بحث کے آخر میں، قاضی صاحبؒ نے ان روایات کا بھی تذکرہ کیا ہے، جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ کیے جانے اور ان کے آپ پر ایمان لانے کا تذکرہ ہے (۶۴)۔ یہ روایات، جیسا کہ ہم نے، متعلقہ مقام پر اپنے حواشی میں واضح کیا ہے، باتفاق ائمہ کمزور بلکہ موضوع ہیں۔

۵۔ فوائد:

کتاب کا آخری حصہ چند علمی نکات اور فوائد پر مشتمل ہے' ان فوائد میں، جن کی تعداد آٹھ ہے، بہت سے علمی مباحث زیر بحث آئے ہیں۔ مثال کے طور پر فائدہ اول میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق ذخیرۂ حدیث میں آنے والی' مختلف روایات کے مابین تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے، جبکہ فائدہ دوم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسی صفات والدین کی حیات طیبہ پر مختصر تبصرہ ہے۔ فائدہ سوم میں قرآن حکیم، سورۃ الشعراء (آیت ۲۱۹) کی تفسیر کے بارے میں بعض اقوال کا تذکرہ ہے' جبکہ فائدہ چہارم میں امام الصفدی کے ان اشعار کا تذکرہ ہے جو انہوں نے حضرت حلیمہ کے تذکرہ میں نقل کیے ہیں، فائدہ پنجم میں سورۃ الاحزاب (آیت ۵۸) کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق نازیبا گفتگو سے روکا گیا ہے۔ فائدہ ششم میں المحب الطبری کی کتاب ذخائر العقبیٰ کے حوالے سے سبیعہ بنت ابی لہب کے ایک واقعے کا ذکر ہے۔ فائدہ ہفتم اور فائدہ ہشتم میں ابولہب نے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر ملنے پر، جو اپنی باندی ثویبہ کو جو آزاد کیا تھا، اس کی بنا پر، اس پر تخفیف عذاب کا تذکرہ ہے (۶۵)۔

خاتمے میں قاضی صاحبؒ نے اس کی تکمیل کی تاریخ (ربیع الاول ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۱ء) کا تذکرہ کیا ہے۔

الغرض اس مختصر سے کتابچے میں قاضی صاحب نے اپنے موضوع کا ہر پہلو سے مسبوط انداز میں احاطہ اور تجزیہ کیا ہے۔

(د)۔ عمومی تبصرہ:

پھر جب ہم اس پر، عمومی جہت سے نظر ڈالتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس بات کے یہ کتابچہ علامہ جلال الدین السیوطی کے رسالے مسالک الحنفاء کی تلخیص ہے، جیسا کہ قاضی صاحبؒ نے خود تفسیر مظہری میں اور اس رسالے کے خاتمے میں، اس کی صراحت کی ہے، لیکن بایں ہمہ قاضی صاحبؒ کی اس کاوش کو تلخیص کے بجائے، اگر انتخاب کا نام دیا جائے، تو زیادہ بہتر ہوگا' اس لیے کہ تلخیص میں اولاً تو کتاب کے ہر مضمون کی ترتیب ملحوظ رہتی ہے' جبکہ انتخاب میں، ترتیب میں ردوبدل ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قاضی صاحبؒ کے اس رسالے کی ترتیب، قطعی طور پر علامہ السیوطیؒ کے رسالے کی ترتیب سے مختلف ہے۔

ثانیاً قاضی صاحبؒ نے، اس رسالے میں اپنی طرف سے بہت سے اضافے بھی کیے ہیں' لہذا اسے انتخاب کا عنوان دینا زیادہ مناسب اور موزوں ہوگا۔

(ھ) مآخذ و مصادر:

اس کتاب میں اگرچہ قاضی صاحبؒ نے بظاہر تو متعدد کتب حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے قریباً ۱۶ روایات و احادیث نقل کی ہیں اور اس کے علاوہ بیسیوں دوسرے حوالے بھی نقل کیے ہیں، لیکن جیسا کہ انہوں نے خود صراحت کی ہے، کہ ان کی اس کتاب کا اصل مآخذ علامہ السیوطیؒ کے رسائل، خصوصاً مسالک الحنفاء ہے' اس لیے، ان کی کتاب میں زیر تذکرہ آنے والے باقی مصادر بھی اسی مآخذ سے لیے گئے ہیں۔

(و) زبان و بیان

قاضی صاحبؒ کی یہ تصنیف لطیف عربی زبان میں ہے...... اس میں قاضی

صاحبؒ نے اپنی دوسری عربی تصانیف ہی کی طرح اسلوب بیان اور اپنی زبان کو بہت سہل، سلیس، آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے۔

اس کتابچہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو عربی زبان اور اس کے اسلوب بیان پر مکمل طور پر عبور حاصل تھا۔ وہ عربی زبان و بیان کے مختلف طریقوں پر پوری طرح قدرت رکھتے تھے۔ جیسا کہ قاضی صاحبؒ کی دوسری کتابوں، خصوصاً تفسیر مظہری میں ان کی عربی زبان اور اس کے اسالیب پر اسی طرح کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔

۶۔ ترجمہ اور اس کے خصائص:

اس مجموعے میں، اس رسالے کا عربی متن (ضروری تعلیقات اور حواشی کے ساتھ) اور اس کا اردو ترجمہ پہلی بار طبع کیا جا رہا ہے۔ اس میں بطور خاص حسب ذیل باتوں کا اہتمام آپ کو نظر آئے گا:

الف۔ اردو ترجمے کو حتی الوسع آسان، عام فہم اور سلیس بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ب۔ جہاں ضروری خیال کیا گیا، خصوصاً قرآنی آیات، اور احادیث مبارکہ' تو ان کا عربی متن بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

ج۔ تمام حوالوں کی تخریج کی گئی ہے۔

د۔ متن میں زیر تذکرہ آنے والی شخصیات کے مختصر سوانحی خاکے اور حالات بھی حواشی میں درج کیے گئے ہیں۔

ھ۔ جہاں ضروری سمجھا گیا، متن میں زیر بحث آنے والی روایات پر ناقدانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے۔

و۔ آسانی کے لیے کتاب کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (جبکہ اصل نسخے میں ایسا نہیں ہے)' مختصراً یہ کہ اس مجموعے کو پوری طرح عام فہم اور استفادے

کے قابل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

جہاں تک کتاب کے عربی متن (دیکھئے ضمیمہ ۱) کا تعلق ہے، تو اسے عمدہ انداز میں کمپوزنگ کرانے کے ساتھ ساتھ، اس کے ساتھ بھی ضروری تعلیقات و حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان ضروری اضافوں اور تعلیقات کے بعد یہ کتاب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے بارے میں، اردو ادب میں، ایک گراں قدر اضافہ ثابت ہوگی۔

یہاں پر یہ امر خصوصاً قابل ذکر ہے کہ اردو زبان میں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اجداد کے حالات کے متعلق کچھ زیادہ مواد نہیں ملتا' جو ملتا ہے وہ محض روایتی نوعیت کا ہے، بحمد اللہ قاضی صاحبؒ کے اس رسالے پر کام کے دوران میں اس عنوان پر، ایک تصنیف کا مواد جمع ہو گیا ہے' جو جلد ہی ایک الگ تصنیف کی صورت میں شائع کیا جائے گا، ہمیں امید ہے کہ یہ کام اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا کام ہوگا۔

آخر میں اس بات کا تذکرہ مناسب ہوگا کہ اس کتاب میں اگر آپ کو کوئی خوبی نظر آئے' وہ پروردگار عالم کا عطیہ اور شہنشاہ مدینہؐ کا فیضان سمجھیں اور اگر کوئی کوتاہی یا کمی نظر آئے' تو اسے ناچیز کے قصور علمی پر محمول کیا جائے۔

وما توفیقی الا باللہ

خاکسار

(ڈ۔ محمود الحسن عارف)

دار العرفان ۷۱/۲ کے' رحمان پارک'
گلشن راوی .... لاہور۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ عدد (۳) دہلی میں مولانا ابو الحسن زید کے کتاب خانہ میں اور عدد (۴) خدابخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔

۲۔ تقدیس، ورق ۱۸

۳۔ ایضاً

۴۔ التفسیر المظہری، مطبوعہ دھلی ۱۹۵۳ء، ۱:۱۲۱

۵۔ ایضاً، ۳/ ۳۰۷۔۳۰۸

۶۔ الاحزاب (۳۳/ ۲۶)

۷۔ التوبہ (۹/ ۲۴)

۸۔ التوبہ (۹/ ۱۱۸)

۹۔ ایضاً

۱۰۔ الکہف (۱۸/ ۶)

۱۱۔ القلم (۶۸/ ۵)

۱۲۔ الاحزاب (۳۳/ ۳۱)

۱۳۔ ایضاً (۳۳/ ۶)

۱۴۔ ایضاً (۳۳/ ۶)

۱۵۔ ایضاً (۳۳/ ۶)

۱۶۔ الحجرات (۴۹/ ۱)

۱۷۔ ایضاً (۴۹/ ۲)

۱۸۔ ایضاً ۴۹/ ۲۔۳)

۱۹۔ ایضاً (۴۹/ ۲)

۲۰۔ ایضاً
۲۱۔ الشورای (۴۲/۲۳)
۲۲۔ التفسیر المظہری ، ۱۸/۸
۲۳۔ ایضاً ، ۳۲۹/۸
۲۴۔ البخاری ، کتاب الایمان ، باب ۸
۲۵۔ البخاری ، کتاب الایمان ، باب ۸
۲۶۔ البخاری ، کتاب الایمان ، باب حلاوۃ الایمان
۲۷۔ الاحزاب (۳۳/۵۷)
۲۸۔ التفسیر المظہری ، ۳۸/۵
۲۹۔ النور (۲۴/۳۶)
۳۰۔ الروض الانف ، ۲۔۱۸۶، طبع عبدالرحمٰن الوکیل ، مطبوعہ دار الکتب الحدیثہ ، قاہرہ ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء بحوالۂ البیہقی ، کتاب الحلیہ .
۳۱۔ الصف (۶۱/۶)
۳۲۔ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ ، مطبوعہ بیروت ، ۲۸۱/۲
۳۳۔ دیکھیے الآلوسی ، محمود: روح المعانی (مکتبہ امدادیہ ، ملتان ، ۲۸/۱۹) بحوالہ مرقاۃ شرح مشکواۃ
۳۴۔ روح المعانی ، ۱۳۸/۲۹
۳۵۔ السہیلی: الروض الانف ، ۱۸۶/۲۔ ۱۸۷، آیت مبارکہ الاحزاب (۳۳/ ۵۷)
۳۶۔ بنی اسرائیل (۱۵/۱۷)
۳۷۔ السیوطی ، جلال الدین: مسالک الحنفاء ، مطبوعہ چشتی کتب خانہ فیصل آباد ۱۹۸۶ء مع اردو ترجمہ ص ا

۳۸۔ ایضاً، ص ا

۳۹۔ ایضاً، ص ا

۴۰۔ ایضاً، ص ۲

۴۱۔ ایضاً، ص ۲۔۵

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ الشعراء (۲۶/ ۲۰۸۔۲۱۹)

۴۴۔ مسالک، ص ۷

۴۵۔ ایضاً، ص ۷

۴۶۔ ایضاً، ص ۷

۴۷۔ ایضاً، ص ۹، بحوالہ عبدالرزاق: المصنف.

۴۸۔ ایضاً، ص ۲۵

۴۹۔ ایضاً، ص ۳۵۔۳۶

۵۰۔ ایضاً، ص ۲۷۔۲۸

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۷۔۲۸

۵۲۔ ایضاً، ص ۲۸

۵۳۔ روح المعانی، ۱۹/ ۱۳۸

۵۴۔ آل عمران (۳/ ۶۶)

۵۵۔ دیکھیے مقدمہ، ابتدائی اوراق

۵۶۔ رسالہ تقدیس والدی المصطفیٰ قلمی (فوٹو کاپی مملوکہ مقالہ نگار)۔ یہ فوٹو کاپی محترم آغا ابو حفص (کوئٹہ) کے ذریعے میسر آئی اسے مولانا ابوالحسن زید دہلوی مرحوم نے اپنے ہاتھ سے نقل کیا ہے) ص ۱۸.

۵۷۔ رسالہ تقدیس، ص ا (قلمی)

۵۸۔ ایضاً، ص ا تا ۳

۵۹۔ مسالک الحنفاء، ص ۹

۶۰۔ تقدیس، ص ۳ (قلمی)

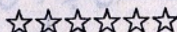
۶۱۔ تقدیس، ص ۳۔۹ (قلمی)

۶۲۔ مسالک، ص ۲۹

۶۳۔ تقدیس، ص ۱۲ (قلمی)

۶۴۔ ایضاً

۶۵۔ ایضاً، ۱۵۔۱۸



مولای صلّ وسلّم دائماً ابداً

علیٰ حبیبك خیر الخلق کلهم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ کتاب

الحمد لله الذی فضل محمدا علی المرسلین وجعله خاتم النبین ورحمةللعالمین وطهر ببرکته آباءه الاقدمین والحق به بفضله اخلافه الاخرین واتم علیه نعمته فی الاوّلین والآخرین صلّی الله علیه وسلم وعلی آله واصحابه ومن احبّه اجمعین

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام رسولوں پر فضیلت دی، آپ کو خاتم النبین اور رحمۃ للعالمین بنایا، آپؐ کی برکت سے آپؐ کے قدیم آباء واجداد کو پاک بنایا اور محض اپنے فضل سے آپؐ کے بعد آنے والے لوگوں کو آپؐ کے ساتھ ملا دیا اور پہلوں اور پچھلوں میں سے آپؐ پر اپنا احسان پورا کیا، آپؐ کی آل پر، آپؐ کے اصحابؓ پر اور آپؐ سے محبت رکھنے والے تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ درود نازل فرمائے۔

شعر:

طوبی لنا معشر الاسلام ان لنا
من العنایة رکنا غیر منهدم
لما دعی الله داعینا لطاعته
باکرم الرسل کنا اکرم الامم (۱)

(اے گروہ اسلام! ہمیں مبارک ہو، کہ ہمیں عنایت الٰہی سے ایک ایسا ستون عطا ہوا ہے جو کہ نہ کبھی خراب ہو اور نہ منہدم ہو، جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے داعی (نبی) کو اپنی فرماں برداری کی بنا پر معزز ترین رسول کہہ کر پکارا ہے تو ہم تمام امتوں میں بزرگ ترین امت ٹھہرے.

وبعد...... یہ رسالہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے ایمان کے اثبات میں ہے.

=========

۱۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہمارے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے معزز ترین رسول ہیں، تو ہم آپ کے امتی ہونے کی بنا پر سب سے معزز ترین امت ٹھہرے [یہ اشعار امام السیوطیؒ کے رسالے مسالک الحنفا، میں نہیں ہیں۔ انہیں قاضی صاحب نے قصیدہ بردہ سے نقل کیا ہے] (فصل ۷)، البتہ ہمارے سامنے جو نسخہ ہے اس میں طوبی کی جگہ بشریٰ ہے.

[باب ۱]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے فضائل

(صحاح میں وارد شدہ احادیث)

جان لیجئے کہ اس بارے میں سب سے زیادہ قابل اعتماد اور لائق یقین وہ احادیث اور روایات ہیں جو صحاح [۲] میں وارد ہوئی ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

بعثت من خیر قرونِ بنی آدم قرناً فقرناً حتی بعثت من القرن الذی کنت فیہ، رواہ البخاری [۳]

مجھے اولاد آدمؑ کے سارے زمانوں میں سے، سب سے بہتر زمانے میں بھیجا گیا، یہاں تک کہ مجھے اس زمانے میں مبعوث کر دیا گیا، جس میں کہ میں ہوں (البخاری)

۲۔ "صحاح" صحیح کی جمع ہے، اس سے مراد صحیح مسلم، صحیح بخاری اور دوسری کتب صحاح ہیں۔ ان کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کی یہ کتابیں صرف صحیح احادیث پر مشتمل ہیں۔

۳۔ البخاری: الصحیح، ۶:۵۶۶ (کتاب المناقب، باب (۲۳) صفۃُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۳۵۵۷۔

اس روایت کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ابوہریرہ بن عامر بن عبد ذی الشری بن طریف الدوسی رضی اللہ عنہ۔ ان کا نسبی تعلق خاندان بنو دوس سے تھا۔ ۷ھ میں اپنی قوم کے ہمراہ مدینہ طیبہ میں آئے اور اسلام قبول کیا۔ ان کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو علم حدیث کے اساطین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوہریرہ علم کا ظرف ہے (البخاری)؛ ان کی مرویات کی کل تعداد ۵۳۷۵ ہے۔ جن میں سے ۳۲۵ بخاری و مسلم میں متفق علیہ ہیں۔ انہوں نے ۷۸ برس کی عمر میں ۵۸ھ/۶۷۸ یا ۵۹/۶۷۹ء میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا (ابن عبدالبر: الاستیعاب، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ، ص ۶۹۷)۔

(۲) حضرت واثلہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل واصطفىٰ من بني كنانة قريشاً واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم' رواه مسلم (۴)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے بنو کنانہ کا اور بنو کنانہ میں سے قریش کا اور قریش میں سے بنوہاشم کا اور بنو ہاشم میں سے میرا انتخاب فرمایا (مسلم)

۴۔ مسلم '۴/۱۷۸۲ (کتاب الفضائل؛ باب (۱) فضل نسب النبي صلى الله عليه وسلم وتسليم الحجر عليه قبل النبوة' حدیث ۱ (۲۲۷۶)۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ان الله اصطفىٰ كنانة من ولد اسماعيل و اصطفى قريشامن كنانة واصطفى من قريش بني هاشم و اصطفاني من بني هاشم۔

یہ حدیث مبارکہ البیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ (۱/۱۶۵) میں اس طرح ہے:

ان الله عزوجل اصطفى بني كنانة من بني اسماعيل واصطفى من بني كنانة قريشا واصطفى من قريش بني هاشم وا صطفاني من بني هاشم۔ اس کے علاوہ یہ حدیث امام ابو عیسی الترمذی نے بھی اپنی السنن (۵:۵۸۳ 'کتاب المناقب) میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند (۴:۱۰۷) میں روایت کی ہے۔ اصطفی (چن لیا) کے علاوہ یہ حدیث اختار (منتخب کیا) کے الفاظ سے بھی ملتی ہے' چنانچہ امام البیہقی کی کتاب دلائل النبوہ (۱:۶۷) میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: ان الله عزوجل اختار فاختار العرب ثم اختار منهم كنانة او النضر بن كنانة ثم اختار منهم بني هاشم ثم اختارني من بني هاشم۔ اس حدیث کے راوی حضرت واثلہؓ بن الاسقع بن کعب بن عامر ہیں' جن کا نسبی تعلق لیث بن عبد منات سے تھا' وہ غزوۂ تبوک (۹ھ) سے قبل اسلام لائے اور غزوۂ تبوک میں شرکت کی؛ انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابو مرثدؓ' ابوہریرہؓ

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما افترق الناس فرقتين الاجعلني الله في خيرهما فاخرجت من بين ابوی ولم يصبني من عهد الجاهلية خرجت من نكاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم حتیٰ انتهيت الى ابی وامی فانا خيركم نفسا وخيركم ابأ' رواه البيهقی فی دلائل النبوة (۵)

جب بھی لوگ دو حصوں میں بٹے، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہترین حصے میں رکھا، میں اپنے والدین سے پیدا ہوا، تو مجھے زمانۂ جاہلیت کی کوئی بری بات نہیں پہنچی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر میرے ماں باپ تک (درجہ بدرجہ) نکاح کے ذریعے سے میرا نسب چلا،

اور ام سلمہؓ سے روایت کی ہے، جبکہ ان سے ان کے بیٹے نسیلہ، ابو ادریس الخولانی اور کئی تابعین روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے ۸۳ھ یا ۸۵ میں بمقام دمشق انتقال فرمایا (ابن حجر العسقلانی: الاصابہ، ۶۲۶:۳).

۵۔ احمد بن حنبل: المسند، ۱: ۲۱۰؛ الترمذی، ۵/ ۵۸۴ (کتاب المناقب، باب (۱) فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ (۱) حدیث ۳۶۰۷ و ۳۶۰۸، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن العباس رضی الله عنه انه جاء الى النبی صلى الله عليه وسلم فكانّه سمع شيأ فقام النبی صلى الله عليه وسلم على المنبر فقال من انا فقالو انت رسول الله' قال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنی فی خير هم (اس کے بعد کی روایت حسب متن ہے): حضرت عباسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، گویا اس وقت آپؐ نے کوئی بات سنی تھی۔ آپ منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہت سے بہتر لوگوں میں رکھا ہے۔

بدکاری کے ذریعے نہیں، لہذا میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی تم سے بہتر ہوں اور اپنے نسب کے اعتبار سے بھی تم سے افضل ہوں (البیہقی: دلائل النبوۃ).

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لم يلتفت ابواى على سفاح قط لم يزل الله ينقلبنى من الاصلاب الطيبة الى الارحام الطّاهرة مصفىً مهذّباً لايشعب شعبتان

میرے والدین نے کبھی بھی بدکاری کی طرف، ادنیٰ درجے کا بھی، التفات نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مجھے پاکیزہ پشتوں سے پاک، مصفی اور مہذب

نیز دیکھیے البیہقی: دلائل النبوہ ۔ مطبوعہ دار لکتب العلمیہ، بیروت (۱:۱۷۴) اس میں یہ روایت اس طرح ہے: قال و خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصى بن كلاب بن مرّه بن كعب بن لؤى بن غالب بن فهر بن مالك بن النَّضر بن كنانة بن خزيمه بن مدركه بن الياس بن مضر بن نزار و ما افترق الناس (آگے روایت حسب متن ہے)۔ دلائل النبوۃ کے طابع ڈاکٹر عبدالمعطی قلعجی کے مطابق یہ حدیث مالک کی روایت سے بہت زیادہ غریب ہے، اس کی روایت میں القدامی متفرد ہے، جو کہ ضعیف ہے، جیسا کہ ابن کثیر (۲:۲۵۵) نے البدایہ والنھایہ میں لکھا ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ عبداللہ بن عمر بن ربیعہ القدامی مضیصہ والوں میں سے تھا۔ وہ احادیث کو بدل دیتا تھا، اس نے امام مالک کی ایک سو پچاس سے زیادہ احادیث کو تبدیل کیا ہے، علامہ ابن حبان نے ان کا تذکرہ مجروح لوگوں میں کیا ہے۔

الا کنت فی خیر هما ... رواه ابو نعیم فی دلائل النبوة(۶)

رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا۔ جب بھی کسی خاندان کی دو شاخیں بنیں میں ان دونوں میں سے بہترین شاخ میں رہا (ابو نعیم: دلائل النبوة)۔

(۵) انہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیر العرب مضر وخیر مضر عبد مناف وخیربنی عبد مناف بنو هاشم و خیر بنی هاشم بنو عبدالمطلب واللہ ما افترق فرقتان منذ خلق الله آدم الا کنت

عربوں میں سب سے بہتر خاندان بنو مضر ہے اور بنو مضر میں سب سے بہتر بنو عبد مناف ہیں، ان میں سب سے بہتر بنو ہاشم ہیں اور بنو ہاشم میں بنو عبد المطلب سب سے بہتر ہیں۔ اللہ کی

۶۔ ابو نعیم: دلائل النبوة؛ السیوطی: مسالک الحنفاء، ص: ۸ [اس میں لم یلتفت ابوی علی سفاح قط والا جملہ نہیں ہے]۔ اسی مضمون کی روایت البیہقی نے دلائل النبوة (۱/۱۷۳) میں حضرت اشعث بن قیس سے نقل کی ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نحن النضر بن کنانه لانتقی (نقذف) من ابینا وتعفوا منا (احمد بن حنبل، ۵/۲۱۱؛ ابن ماجہ: السنن، کتاب الحدود ۲/۸۷۱) "یعنی "ہم بنو نضر بن کنانہ وہ لوگ ہیں جن کے والدین پر بدکاری کی تہمت نہیں لگی اور ہماری مائیں بھی پاک دامن رہیں۔

روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ جو نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی، جلیل القدر اور نامور صحابی، فقیہ، مفسر قرآن اور حبر الامۃ تھے۔ انہوں نے اپنے بچپن سے لیکر آنحضور ﷺ کی وفات تک، آپؐ کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا۔ خوش اخلاقی، وجاہت شخصی اور تفقہ فی القرآن کے باعث حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بے حد عزت کرتے اور مشکل مسائل میں ان سے مشورے لیتے۔ انہوں نے ۶۸ھ/۶۸۷ء میں انتقال فرمایا، ان سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث مروی ہیں (جوامع السیرہ، ص ۲۷۶)۔

فی خیر هما رواه ابن سعد (۷)

قسم جب سے اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لیکر جب بھی دو شاخیں ایک دوسرے سے الگ ہوئیں تو اللہ نے مجھے ان دونوں میں سے بہتر شاخ میں رکھا ہے (ابن سعد).

(۶) [امّ المومنین حضرت] عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قال لی جبریل قلبت الارض مشارقها و مغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد ولمّ اجد بنی اب افضل من بنی هاشم' رواه البيهقی فی الدلائل

حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ میں زمین کے مشرق و مغرب میں گھوما پھرا ہوں ' میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر شخص دیکھا ہے اور نہ ہی میں بنو ہاشم سے

۷۔ ابن سعد کی طبقات 'میں یہ روایت تلاش کے باوجود نہیں ملی۔ ابن سعد نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے ذکر میں صرف یہ روایت نقل کی ہے.

لاتسبوا مضر انه کان قد اسلم — تم لوگ مضر کو برا مت کہو' اس لیے کہ وہ ایمان لے آئے تھے (ابن سعد' ۱/۳۸)

البتہ اسی مضمون کی ایک روایت البیہقی کی دلائل النبوۃ (۱/۱۷۲) میں موجود ہے جس میں "خیر" کے بجائے "اختار" کا لفظ آتا ہے (نیز دیکھیے السیوطی: مسالک الحنفاء 'ص ۸).

بہتر کوئی خاندان پایا (۸) (البیهقی : الدلائل، الطبرانی).

حافظ ابن حجرؒ اپنی امالی میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ درستگی کے نشانات اس متن کے ظاہر پر موجود ہیں۔(۹)

امام السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی کئی روایات ہیں جن کا میں نے اپنی کتاب المعجزات کے ابتدائی حصے میں تذکرہ کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ لفظ

۸۔ البیهقی: دلائل النبوۃ (طبع قلعجی)، ۱: ۱۷۴، ۸؛ اس حدیث کی تخریج الھیثمی نے بھی کی ہے (مجمع الزوائد ۸: ۲۰۷) اور اسے الطبرانی (معجم الاوسط) کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن عبید الربذی ہے جو کہ ضعیف راوی ہے (نیز دیکھیے السیوطی: مسالک الحنفاء، ص ۴؛ بحوالہ الطبرانی، الاوسط).

اس حدیث کی راویہ نامور صحابیہ اور حبیبۃ حبیب اللہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واحد کنواری رفیقہ حیات تھیں، حضرت عائشہؓ بہت بڑی فقیہ، عالمہ اور مفسرہ قرآن تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اپنے دور خلافت میں جو بھی مشکل پیش آتی وہ انہی کی ذات سے رجوع فرماتے۔ حضرت عائشہؓ سے قریباً ۲۲۰۰ احادیث مروی ہیں۔ انہوں نے ۵۷ یا ۵۸ھ / ۶۸۸۔۶۸۹ء میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا (کحالہ: معجم اعلام النساء).

۹۔ السیوطی: مسالک، ص ۹؛ حافظ ابن حجر، العسقلانیؒ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس "مضمون" کی صداقت میں تو کسی مومن کو شبہہ نہیں ہے اور جیسا کہ ہم اپنے مقدمہ میں ذکر کر آئے ہیں کہ یہ "مضمون" تو ہر شک وشبہے سے بالاتر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد اور تمام جدات ہر اخلاقی نقص سے پاک ومنزہ تھے، البتہ جہاں تک اس روایت کے الفاظ کا تعلق ہے تو اوپر "ابن حجر الھیثمی" کے حوالے سے یہ لکھا جا چکا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

ابن حجر العسقلانیؒ (۷۷۳ھ / ۱۳۷۲ء۔ ۸۵۲ھ / ۱۴۴۹ء) اپنے زمانے کے مشہور و معروف محدث، مؤرخ اور فقیہ تھے۔ انہوں نے متعدد موضوعات پر کئی سو کی تعداد میں تصانیف مرتب فرمائی ہیں (دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱/ ۴۷۹۔۴۸۱).

افضل، خیر، اصطفاء اور طاہر (پاک) کا اطلاق کفار کے لیے جائز نہیں ہے، (۱۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَس" (۱۱) تمام مشرک ناپاک ہیں.

نیر فرمایا:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۱۲) سب سے بری مخلوق اللہ تعالی کے ہاں وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا سو وہ ایمان نہیں لاتے.

یہ صحیح احادیث قطعی طور پر اس بات کا ثبوت ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جناب عبد اللہ بن عبد المطلب تک صاحب ایمان (مومن) تھے۔اس مضمون کے خلاف جو روایات ملتی ہیں، اگر تو وہ کمزور ہوں، تو ان کا رد کرنا ضروری ہے اور اگر وہ صحیح ہوں تو ان کی تاویل لازم ہے اور جو احادیث اس مضمون پر دلالت کرتی ہیں، ہمیں انہی صحیح احادیث پر عقیدہ رکھنا چاہئے، ان میں سے اگر (بعض روایات) ضعیف بھی ہوں تو بھی وہ درجہ حسن تک ضرور پہنچ جاتی ہیں. (۱۳)

۱۰۔ السیوطی :مسالک، ص۹.

۱۱۔ التوبہ (۲۸/۹).

۱۲۔ الانفال (۹۵/۸).

۱۳۔ یہ مکمل پیراگراف قاضی صاحبؒ کا اپنا تبصرہ ہے، امام سیوطیؒ کے ہاں یہ حصہ موجود نہیں ہے.

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے بعد نبوت خاندان بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) میں رہی [اور خاندان اسماعیل میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوا] اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاءؑ تمام انسانوں اور فرشتوں سے افضل ہیں، پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے "جب بھی کوئی خاندان دو شاخوں میں بٹا اللہ تعالیٰ نے مجھے ان دونوں میں بہتر حصے میں رکھا"۔(۱۴)

اسی طرح ارشاد نبوی ہے:

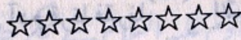
بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا (۱۵) اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کے بہت بہترین زمانے میں مجھے مبعوث فرمایا

تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ میں تقسیم ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کا انتخاب فرمایا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ سے افضل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں خاندانوں میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین خاندان، یعنی بنو اسماعیلؑ میں پیدا فرمایا۔ پھر خاندان اسماعیل دو شاخوں میں بٹا، تو اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے بہترین حصے میں رکھا، لہذا یہ بات اس پر دلالت نہیں کرتی کہ آنحضور

۱۴۔ احمد بن حنبل: مسند، ۹/۱۹۶، حدیث ۹۳۶۰۔

۱۵۔ احمد بن حنبل: مسند، ۹/۶۵، حدیث ۸۸۴۳ (اسنادہٗ حسن)۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد انبیائے بنی اسرائیل سے افضل تھے، بلکہ یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اجداد اپنے بھائیوں سے افضل تھے اور یہی بات ان کے ایمان پر بھی دلالت کرتی ہے 'اس لیے کہ کوئی کافر دوسرے کافر سے بہتر نہیں ہوتا ' بلکہ وہ یا تو دوسرے سے بدتر ہوتا ہے یا پھر برائی میں دوسرے کافر ہی کی طرح ہوتا ہے اور "چوپاؤں" کا شر کسی طرح سے بھی بہتر نہیں ہوتا[۱۶].



۱۶۔ یہ حصہ .... یعنی سوال اور اس کا جواب، بھی قاضی صاحب کا اپنا اضافہ ہے 'امام السیوطیؒ کے ہاں ہمیں یہ بحث نہیں ملتی.

[باب ۲]

حضرت آدمؑ سے جناب عبد المطلب تک اجداد نبوی کے ایمان کا اثبات

اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت نوح علیہ السلام تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد مومن تھے، جیسا کہ البزاز نے اپنی مسند میں، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ اور ابن المنذر وغیرہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں اور الحاکم نے مستدرک میں، صحیح حدیث قرار دیتے ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے، ارشاد باری تعالیٰ:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً[1] تمام لوگ ایک ہی امت تھے

کے تحت روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس قرن (صدیاں، زمانے) تھے۔ اس دور میں سب لوگ حق پر تھے، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو بھیجا[2]۔

۱۔ البقرہ (۲/۲۰۳)؛ دیکھیے السیوطی: مسالک الحنفاء، ص ۱۰، بحوالہ البزاز، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم۔

۲۔ اس روایت کو انہی الفاظ میں قاضی صاحبؒ نے اپنی تفسیر (۲/۲۵۲، بذیل البقرہ آیت ۲۰۳) نقل کیا ہے، مگر اس میں فا اختلفوا کے بعد فبعث اللہ النبیین نہیں ہے، لیکن، جیسا کہ ظاہر ہے، یہ روایت تفسیری روایات کے تحت آتی ہے اور ایسی روایات سند اور ثقاہت کے اعتبار سے، کتب صحاح کی احادیث کا معارضہ نہیں کر سکتیں۔

اسی طرح) ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہؒ سے مذکورہ آیت کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے، کہتے ہیں کہ:

"ہمیں یہ بتایا گیا کہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس قرنوں (زمانوں، صدیوں) کا فاصلہ تھا اس وقت تمام لوگ صاحب علم تھے جو حق سے ہدایت یافتہ تھے، پھر انہوں نے اس کے بعد اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا جو اللہ کے پہلے رسول تھے۔ جنہیں اللہ تعالی نے اہل زمین کی طرف بھیجا تھا"(۳).

پھر جب لوگوں کے مابین اختلاف (اور بگاڑ پیدا) ہوا تو (اس بگاڑ کے وقت) حضرت نوحؑ کے والدین صاحب ایمان تھے، اس لیے کہ قرآن کریم میں حضرت نوحؑ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

۳۔ السیوطی: مسالک الحنفاء؛ ص ۱۰، نیز دیکھیے تفسیر مظہری، ار ۲۵۳ (مطبوعہ دہلی ۱۹۵۵ء)، یہاں محدث پانی پتیؒ نے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے، جو مذکورہ دونوں روایات کے مخالف ہے، لکھا ہے:
وقال الحسن و عطاء كان الناس من وقت وفاة آدم الى مبعث نوح عليه السلام امة واحدة على الكفر مثال البهائم فبعث الله نوحا وغيره من النبيين، یعنی حسن اور عطاء کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی وفات سے لیکر حضرت نوحؑ کی بعثت تک تمام لوگ کفر پر ایک ہی امت تھے، چوپایوں کی طرح، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ اور دوسرے انبیاء کو بھیجا.

پھر قاضی صاحبؒ نے خود ہی دونوں روایات میں تطبیق دی ہے، لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ابتدا میں تمام لوگ مسلمان ہوں، بعد ازاں انہوں نے باہم اختلاف کیا، تا آنکہ وہ سب لوگ حضرت نوحؑ کے زمانے میں کافر ہو گئے، ماسوائے حضرت نوحؑ کے والدین کے.

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا (۴) پروردگار میرے ماں باپ کی اور ہر اس شخص کی جو میرے گھر میں صاحب ایمان ہو کر داخل ہو مغفرت فرما.

پھر سام، حام، یافث (۵) حضرت نوحؑ کے تمام بیٹے نص قرآنی اور اجماع کی رو سے مومن تھے، اس لیے وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں ان کے والد نے کشتی میں سوار کیا اور (اس وقت عذاب الٰہی سے) مومن کے علاوہ کسی کو نجات نہیں ملی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَه، هُمُ الْبَاقِیْنَ (۶) ہم نے انہی کی اولاد کو باقی رکھا

جب کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ (حضرت) سام نبی تھے (۷) اور ان کے بیٹے ارفخشذ کے ایمان پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے صراحت کی ہے، جس کا تذکرہ ابن عبد الحکم نے تاریخ مصر میں کیا ہے (۸)۔ جس میں یہ مضمون بھی ہے کہ انہوں نے اپنے جد بزرگوار حضرت نوحؑ کا زمانہ پایا تھا اور انہوں نے ان کے لیے

۴۔ نوح (۲۸:۷۱)؛ دیکھیے مسالک، ص ۱۰.

۵۔ امام السیوطیؒ نے صرف (حضرت) سام کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بالاجماع مومن تھے (مسالک، ص ۱۰)۔ دوسرے حضرات کا تذکرہ قاضی صاحبؒ کا اضافہ ہے.

۶۔ الصافات (۷۷/۳۷).

۷۔ السیوطیؒ، ص ۱۰ (لیکن امام السیوطیؒ کے ہاں بھی یہ روایت کسی حوالے اور سند کے بغیر ہے اس لیے محل نظر ہے).

۸۔ مسالک، ص ۱۰۔ (اصل میں ابن عبد الحکیم، تصحیح از مسالک).

دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو نبوت اور حکومت عطا کرے (۹)۔

پھر ان کے بیٹے شاخ سے لیکر تارخ تک تمام لوگوں کے ایمان کی صراحت ایک روایت (اثر) میں صراحت ملتی ہے (۱۰)۔

چنانچہ ابن سعد نے الطبقات میں الکلبی کے حوالہ سے ایک اثر (روایت) نقل کیا ہے (۱۱)۔

اور تارخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے جب کہ آذر کے متعلق ترجیحی قول، جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا ہے 'یہ ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا' نہ کہ والد۔ ہمارے بزرگوں میں سے ایک جماعت کا بھی یہی قول رہا ہے۔

۹۔ مسالک، ص ۱۰، بحوالہ ابن عبد الحکم، تاریخ مصر۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۰۔

۱۱۔ یہ روایت السیوطیؒ نے ابن سعد سے الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس کی سند سے نقل کی ہے جو یہ ہے:

> حضرت نوحؑ جب کشتی سے اتارے گئے تو وہ ایک بستی میں اترے وہاں ہر شخص نے اپنا اپنا گھر بنالیا۔ اس لیے اس جگہ کا نام "سوق الثمانین" رکھ دیا گیا، پھر تمام قابیل کے خاندان والے لوگ ہلاک ہو گئے اور نوحؑ اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان جتنے بھی اجداد تھے وہ تمام کے تمام مسلمان تھے۔ پھر جب "سوق الثمانین" ان کے لیے تنگ پڑ گیا تو وہ بابل میں چلے آئے اور وہاں انہوں نے گھر بنا لیے۔ ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہو گئی یہ سب لوگ اسلام پر تھے اور وہ بابل میں نمرود بن کوش کنعان کے زمانے تک مسلمان رہے۔ جس نے انہیں بتوں کی پوجا کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے اس کی بات مان لی (مسالک، ص ۱۰)"۔
>
> اس نوع کی زیادہ تر روایات ہمارے اسلاف نے یہودی علما سے لی ہیں، اس لیے محل نظر ہیں۔

امام السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مجاہدؒ، ابن جریرؒ اور السریؒ سے صحیح اسناد کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، وہ تو ابرہیم بن تارخ تھے؛ السیوطیؒ کہتے ہیں کہ میں نے تفسیر ابن المنذر میں ایک روایت دیکھی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ وہ ان کا چچا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ سب لوگ آدم علیہ السلام سے لیکر ابراہیم علیہ السلام تک تمام کے تمام صاحب ایمان تھے، جن کا ایمان منصوص علیہ اور متفق علیہ ہے۔ ان میں سے کسی کے ایمان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، سوائے آذر کے اور (اس کے متعلق) راجع قول یہ ہے کہ وہ ان کا چچا تھا۔ اس کے ایمان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کی تائید مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے (۱۲)۔

پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے بعد احادیث صحیحہ اور علما کی تصریحات اس بات پر متفق ہیں کہ ابراہیم کے بعد اہل عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر قائم رہے۔ ان سے کسی نے کبھی کفر کیا اور نہ ہی کسی بت کی پوجا کی، تاوقتیکہ عمرو بن عامر الخزاعی نہ آ گیا کیونکہ [عرب کی تاریخ میں] وہ پہلا شخص ہے، جس نے ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بدلا، بتوں کی پوجا کی اور جانوروں کو

۱۲۔ مسالک، ص ۱۱؛ نیز دیکھیے الدر المنثور، ۳/۳۰۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۹۹۳ھ/ ۱۴۱۴ھ۔ امام السیوطیؒ نے یہاں مختلف اقوال جمع کر دیئے ہیں، مثال کے طور پر:

(حضرت) مجاہد: آذر ابراہیمؑ کے والد نہ تھے، لیکن وہ بت کا نام تھا؛

السدی: حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ تھا اور بت کا نام آزر تھا؛

ابن جریج: آذر ابراہیمؑ کا باپ نہ تھا، وہ تو معبود تھا، وہ تو ابراہیمؑ بن تیرح تھے؛

ابن عباس: حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر نہیں بلکہ تارخ تھا (الدر المنثور، ۳/۳۰۰)۔

معبود قرار دیا (۱۳)۔

چنانچہ بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رأیت عمرو بن عامر الخزاعی یجرّ قصبه، فی النار وکان اول من سیَّب السوائب (۱۴)

میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے بتوں کے نام پر جانور وقف کیے۔

اور ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱۳۔ مسالک، ص ۱۱۔

۱۴۔ مسلم، ۴/۲۱۹۱ (کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب ۱۳ (النار یدخلہا الجبارون)، حدیث (۲۸۵۶) (۵۰)۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

رأیت عمرو بن لحی بن قمعة بن خندف ابا بنی کعب هو لاء یجر قصبه فی النار

میں نے عمرو بن قمعہ بن خندف، بنو کعب کے جدامجد، کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

رأیت عمرو بن عامر الخزاعی یجرّ قصبه فی النار و کان اول من سیب السوائب (مسلم ۴/۲۱۹۲؛ حدیث ۳۸۵۶ (۵۱) (میں نے عمر بن عامر الخزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور وہ پہلا شخص تھا جس نے (عرب میں) بتوں کے نام پر جانور وقف کیے)۔

نیز دیکھیے البخاری، حدیث ۱۷۵۷۔

میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا[(۱۵)]۔

امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عبد اللہؓ بن مسعود سے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سب سے پہلے جس نے جانوروں کو بتوں کے نام پر وقف کیا اور ان کی پوجا کی وہ ابو خزاعہ عمرو بن عامر ہے۔ میں نے اسے جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹے ہوئے دیکھا ہے"

الحافظ عماد الدین بن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ تمام اہل عرب حضرت ابراہیم کے دین پر تھے، یہاں تک کہ عمرو بن عامر الخزاعی مکے کا والی بن گیا اور اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے بیت اللہ شریف کی ولایت چھین لی، اس وقت عمرو نے بتوں کی پوجا کا آغاز کیا اور عربوں میں گمراہ کاموں کی ابتدا کی اور تلبیہ (حج) میں "لاشریك لك" کے بعد الّا شریکاً ھولك تملکه (سوائے اس شریک کے، جس کا تو مالک ہے) کا اضافہ کیا اور عربوں نے شرک میں اس کی تقلید کی۔

پھر بھی کچھ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے دین پر قائم رہے، جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد بھی شامل تھے۔ اس لیے کہ ابن حبیب نے اپنی تاریخ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ عدنان، معد، ربیعہ، مضر،

۱۵۔ السیوطی، الدر المنثور، ۳/۲۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت؛ احمد بن حنبل: مسند، ۷/۴۲۲۔۴۲۳، حدیث ۷۶۹۶، اس کے الفاظ یہ ہیں: رأیت عمرو بن عامر الخزاعی یجر قصبه، یعنی الامعاء فی النار، وھو اول من سیب السوائب نیز دیکھیے: مسند ۷/۴۱۹، حدیث ۸۷۷۳ (سند صحیح ہے)۔

خزیمہ اور اسد [۱۶] ملت ابراہیمی پر قائم تھے اور ابن سعد نے الطبقات میں (حضرت) عبداللہ بن خالد [۱۷] سے مرسلاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم لوگ مضر کو برامت کہو، اس لیے کہ وہ اسلام لے آئے تھے [۱۸].

اور الروض (الانف) میں امام السہیلیؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتسبو الیاس فانّه کان مؤمنا الیاس کو برا بھلامت کہو، اس لیے کہ وہ مؤمن تھے. [۱۹]

اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اپنی صلب (پشت) میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج

۱۶۔ السیوطی، مسالک الحنفاء، ص ۱۲، بحوالہ ابن کثیر، تاریخ.

۱۷۔ السیوطی: مسالک، ص ۱۴، بحوالہ ابن حبیب تاریخ۔ روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: فلا تذکرو ھم الا بخیر (بس تم ان کا بھلائی سوا کے تذکرہ نہ کرو)۔ ان سب بزرگوں کا تذکرہ تفصیلاً ہم نے اپنی کتاب "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد" میں کیا ہے.

۱۸۔ السیوطی: مسالک الحنفاء، ص ۱۵۔ عبداللہ بن خالد، غالباً اس سے مراد عبداللہ بن خالد بن اسید ہیں جو مشہور صحابی حضرت اسید بن ابی العیص کے بیٹے تھے۔ وہ زیاد کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں بصرہ کے والی (گورنر) بھی رہے۔ ان کے بارے میں صحابیت اور تابعیت کے دونوں اقوال ہیں۔ وہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے (۴۰۔۶۰ھ) میں حیات تھے (الاصابہ، ۳۰۱/۲، ۳۰۲).

۱۹۔ ابن سعد، جلد اول؛ السہیلی، ۱:۶۱.

کے لیے تلبیہ سنا کرتے تھے[۲۰]۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کعب بن لوئی پہلا شخص ہے، جس نے لوگوں کو یوم الترویہ (۸ ذوالحجہ) کے لیے جمع کیا۔ قریش ان کے پاس جمع ہوتے، وہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق بتاتے تھے اور وہ بیان کرتے تھے کہ وہ ان کی اولاد ہوں گے، وہ انہیں آپؐ کی اتباع اور آپؐ پر ایمان لانے کی تعلیم دیتے تھے اور کئی اشعار بھی پڑھا کرتے تھے، جن میں سے ایک حسب ذیل ہے:

یا لیتنی شاهدا نجواء دعوته[۲۱] اذا قریش تبغی الحق خذلانا

(اے کاش میں اس وقت موجود ہوتا، جب قریش حق کو رسوا کرنا چاہیں گے)۔

امام السہیلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت الماوردی حضرت کعبؓ سے اپنی کتاب الاعلام میں روایت کر چکے ہیں[۲۲]۔

امام السیوطیؒ فرماتے ہیں:

"ابو نعیم نے دلائل النبوہ میں اپنی سند سے ابو سلمہ بن عبدالرحمان بن عوف سے روایت کی ہے، جس کے آخر میں

۲۰۔ عبدالرحمان الوکیل (طابع الروض الانف) نے لکھا ہے کہ یہ حدیث الزرکشی کی برھان کے حوالے سے روایت کی گئی ہے، مگر مجھے اس حدیث کا حال معلوم نہیں ہے، البتہ السیوطی کی جامع الصغیر میں اس کے یہ الفاظ ہیں: لا تسبوا الیاس فانه کان قد اسلم، مگر یہ روایت عبداللہ بن خالد سے مرسلاً مروی ہے اور ضعیف ہے (۶۱/۱، حاشیہ ۳)۔

۲۱۔ اصل میں نجواء ہے، جو تصحیف ہے، تصحیح از السہیلی، ۵۳/۱۔

۲۲۔ السہیلی، ۵۲/۱۔ بقول السہیلی لفظ کعب یا تو کعب سے ہے، جس کے معنی گھی کے ٹکڑے کے ہیں، یا پھر کعب بمعنی پنڈلی سے، یہی قول راجح ہے (۵۱/۱)۔

ہے کہ کعب (بن لوئی) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
بعثت مبارکہ میں پانچ سو ساٹھ سالوں کا فرق ہے (۲۳)"۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت کعب اور ان کے بیٹے مرّہ تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد کا ایمان منصوص علیہ ہے' اب رہ گئے مرہ اور جناب عبد المطلب کے درمیان چار اجداد' یعنی کلاب قصیؒ' عبد مناف اور ہاشم۔ امام السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے خصوصیت کے ساتھ ان بزرگوں کے ایمان کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملی۔

میں کہتا ہوں (۲۴) کہ ان بزرگوں کے ایمان کے متعلق' مذکورہ بالا' مجمل' آثار اور روایات ہی کافی ہیں۔ جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل سامنے نہ آئے (۲۵)۔

جہاں تک جناب عبد المطلب کا تعلق ہے تو ان کے متعلق لوگوں کے درمیان اختلاف ہے' اور ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا "نور" جب ان پر ظاہر ہوا تو اسی نور کی برکت سے انہوں نے ابرہہ سے کہا تھا کہ اس گھر کا ایک

۲۳۔ مسالک' ص ۱۵ بحوالہ ابو نعیم' دلائل النبوۃ۔

۲۴۔ مراد قاضی محمد ثناء اللہؒ' مؤلف رسالہ ہذا ہیں۔ اسی طرح آگے بھی' جہاں یہ جملہ "قلت" (میں کہتا ہوں) آیا ہے' اس سے قاضی صاحبؒ ہی مراد ہیں۔

۲۵۔ مطلب یہ ہے کہ کتاب کی ابتدا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے متعلق قاضی صاحب نے جو روایات اور آثار روایت کیے ہیں' جن سے ان کے اخلاق کی بلندی اور پاکیزگی کا پتہ چلتا ہے' ان روایات سے' علامہ السیوطیؒ کی اتباع میں قاضی صاحبؒ بھی یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ ان بزرگوں کے بارے میں اصطفی اور طہارت وغیرہ کے الفاظ ان کے صاحب ایمان ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔
واللہ اعلم۔

مالک (رب) ہے، جو اس کی حفاظت کرے گا[۲۶] اور انہوں نے جبل ابو قبیس پر چڑھ کر یہ قطعہ کہا تھا:

لاهم ان المرء يمنع رحاله[۲۷]

فامنع رحالك[۲۸]

لا يغلبن صليبهم[۲۹] ومحالهم محالك[۳۰]

فانصر على آل الصليب وعابديه اليوم آلك[۳۱]

اور اسی نور کی برکت سے وہ اپنی اولاد کو ظلم و زیادتی چھوڑنے اور عمدہ اخلاق اپنانے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور دنیوی معاملات میں بھی خست و دناءت سے روکتے تھے، وہ اپنی وصایا میں فرماتے ہیں:

۲۶۔ ابن سعد، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۸ھ، ۱/ ۷۲.

۲۷۔ اصل میں "رحالہ" ہے جو غلط ہے، تصحیح از ابن سعد، ۱/ ۷۳.

۲۸۔ ابن سعد (۱/ ۷۳) میں حلالک ہے، جس کے معنی ان لوگوں کے ہیں جو علاقہ حرم میں مقیم ہیں، تاہم حاشیے میں مذکور ہے کہ بعض نسخوں میں "رحالک" بھی ہے، گویا دونوں طرح درست ہے؛ اس لیے ہم نے متن میں "رحالک" ہی رہنے دیا ہے.

۲۹۔ اصل میں عیالھم ہے جو تسامح ہے، تصحیح از ابن سعد، ۱/ ۷۲.

۳۰۔ اصل میں ابداعیالک ہے جو کہ درست نہیں ہے، تصحیح از ابن سعد، ۱/ ۷۲. ان قطعات کا ترجمہ یہ ہے.
"کوئی غم نہیں، (اس لیے) ہر شخص اپنے ساز و سامان کی حفاظت کرتا ہے، (اے اللہ) تو بھی اپنے "سامان" (گھر) کی حفاظت فرما، ان کی صلیب اور ان کے لوگ، اے اللہ تیرے گھر پر غالب نہ ہوں، (اے اللہ) تو آج صلیب کے ماننے والوں اور اس کے پجاریوں کے خلاف اپنے گھر والوں کی مدد فرما.

۳۱۔ آخری جملہ ابن سعد میں نہیں ہے، اس میں اس کی جگہ یہ بیت ہے.
ان كنت تاركهم و قبلتنا فامر مابدالك (ابن سعد، ۱/ ۷۲).

"ظالم شخص دنیا سے اس وقت تک نہیں مرتا، جب تک اس سے بدلہ نہ لے لیا جائے اور اسے اس کے کیے کی سزا نہ مل جائے (۳۲)۔

ایک مرتبہ [مکہ مکرمہ میں] ایک ظالم شخص فوت ہو گیا اور اسے اس کے کیے پر سزا نہ ملی، تو لوگوں نے جناب عبد المطلب سے کہا، تو جناب عبد المطلب نے تھوڑی دیر غور کیا اور پھر کہا:

"بخدا اس دنیا کے پیچھے ایک اور دنیا ہے۔ جہاں نیکو کار کو اس کی نیکی کا اور بدکار کو اس کی برائی کا بدلہ ضرور مل کر رہیگا"، (۳۳)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جناب عبد المطلب سے کوئی ایک بات بھی ایسی مروی نہیں ہے جو ان کے کفر پر دلالت کرتی ہو، جبکہ ان کے صاحب ایمان ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی یکتائی پر ایمان رکھنا کافی ہے، اس لیے کہ وہ زمانہ فترت میں تھے، ابن سعد نے اپنی کتاب الطبقات میں اپنی اسناد سے نقل کیا ہے، کہ جناب عبد المطلب نے حضرت ام ایمنؓ (۳۴) سے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم [کی انا تھیں اور آپؐ کو گود میں کھلاتی تھیں: فرمایا تھا

"اے برکت میرے بچے سے غافل نہ رہنا، اس لیے کہ میں

۳۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، ابن سعد، ۱/ ۱۷۲۔

۳۳۔ مسالک الحنفاء، ص ۱۶۔

۳۴۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا نام برکت تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انا تھیں۔ انہوں نے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ کی وفات کے بعد مکہ مکرمہ پہنچایا اور اپنی شفقت کی گود میں کھلایا تھا (جوامع السیرۃ)۔

نے اسے نوجوان لڑکوں کے ہمراہ سدرہ کے قریب دیکھا ہے

اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ میرا یہ بیٹا اس امت کا نبی ہے (۳۵)"۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ وہ توحید، ملت حنیفیہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے منتظر لوگوں میں سے تھے اور اس دور میں جس کسی کے بھی یہ حالات تھے، وہ مومن تھا، جیسے کہ ورقہ بن نوفل (۳۶)

۳۵۔ ابن سعد میں ہے:

"قال اخبرنا محمد بن عمر واقد الاسلمی قال حدثنی محمد بن عبد الله عن الزهری قال وحدثنا عبد الله بن جعفر عن بن عبد الواحد بن حمزه بن عبد الله قال وحدثنا هاشم بن عاصم الاسلمی، عن المنذر بن جهم قال وحدثنا عن ابی نجیح عن مجاهد قال وحد ثنا عبد الرحمان بن عبد العزیز عن ابی الحویرث قال وحدثنا ابن ابی سبرة عن سلیمان بن سحیم عن نافع بن جبیر دخل حدیث نعیم فی حدیث بعض، قالوا قوم من بنی مدلج لعبد المطلب احتفظ به فانالم نر قدماً اشبه بالقدم التی فی المقام منه فقال عبد المطلب لابی طالب اسمع مایقول هولاء فکان ابو طالب یحتفظ به وقال عبد المطلب لام ایمن و کانت تحضن رسول الله صلی الله علیه وسلم یا برکة لا تغفلی عن ابنی فانی وجد ته مع غلمان قریباً من السدرة وان اهل الکتاب یزعمون ان ابنی هذا نبی هذه الامة (جلد ۱) ۔(سند کے بعد .....بنی مدلج کے لوگوں نے عبدالمطلب سے کہا کہ اس بچے کی حفاظت کرو، اس لیے کہ ہم نے اس سے زیادہ کسی کے قدموں کو اس نشان سے مشابہہ نہیں دیکھا جو مقام ابراہیم میں ہے، عبدالمطلب نے جناب ابو طالب سے کہا سنو یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، چنانچہ ابو طالب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کرتے تھے اور عبدالمطلب نے ام ایمنؓ سے کہا، جو آپؐ کی انا تھیں، اے برکت میرے اس بیٹے سے غافل نہ رہنا، اس لیے کہ میں نے اسے سدرہ کے قریب بچوں کے ساتھ دیکھا ہے اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ اس امت کے نبی ہیں" (نیز دیکھیے مسالک الحنفاء).

۳۶۔ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزی حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے، انہوں نے جاہلیت میں عیسائیت اختیار کرلی تھی۔ الطبری، البغوی، ابن قانع اور ابن السکن وغیرہ نے ان کو صحابہ کرام میں

زید بن عمرو (۳۷) قس بن ساعدہ (۳۸) اور اوس بن حارثہ (۳۹) وغیرہ تھے۔

اور البزاز اور الحاکم نے المستدرک میں (ام المومنین) حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے، کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

شمار کیا ہے، لیکن ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں ہے، اس لیے کہ ان کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا، جب ابھی آپؐ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا شروع نہیں کیا تھا۔ البخاری (حدیث ۳) کے مطابق جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی اتری اور آپ کو اس حالت میں گھبراہٹ سی محسوس ہوئی تو حضرت خدیجہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی ورقہ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ نے جب پورا قصہ سنا تو کہا: کہ یہ تو وہی ذات ہے جو حضرت موسیٰ پر اترتی تھی، پھر کہا: کاش میں اس وقت زندہ اور جوان ہوتا، جب آپؐ کی قوم آپؐ کو (اپنے شہر سے) نکال دے گی، تو میں آپؐ کی مدد کرتا۔ پھر وہ زمانہ فترت میں انتقال کر گئے۔ ان کا ایمان لانا مختلف فیہ ہے (دیکھیے ابن حجر: الاصابہ، ۳: ۶۳۴).

۳۷۔ زید بن عمرو بن نوفل المکی القرشی ان متلاشیان حق میں سے تھے، جنہیں حنیف (جمع: حنفاء) کہا جاتا تھا۔ ان کا انتقال بعثت نبوی سے پہلے ہو گیا تھا، اس وقت ابھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی۔ زید نے بت پرستی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، لیکن وہ نہ تو عیسائی ہوئے تھے اور نہ یہودی۔ وہ دختر کشی کی رسم کے سخت خلاف تھے، وہ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیروکار سمجھتے تھے، وہ حضرت عمر کے عم زاد بھائی تھے، ان کے بیٹے سعید کو قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی (الذہبی: سیر اعلام، ۱: ۸۹۸۴، ۹۰).

۳۸۔ قس بن ساعدہ الایادی بن عمرو بن عدی بن مالک بن زید عان۔ وہ زمانہ قبل از اسلام کا ایک مشہور دانشور، خطیب اور بلاغت میں منفرد مقام کا حامل شخص تھا، وہ بھی عرب کے ان چند لوگوں میں سے تھا، جنہیں اسلام سے پہلے بت پرستی سے نفرت ہو گئی تھی اور جو "عرب" میں موحد سمجھے جاتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ جب بنو عبد القیس کا وفد مدینہ طیبہ آیا، تو آپؐ نے اس سے "قیس" کے بارے میں پوچھا اور فرمایا کہ میں نے اسے سوق عکاظ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا ہے (الاصابہ، ۱/ ۵۶۹، بذیل مادہ)۔ ابو حاتم السجستانیؒ نے ان کا تذکرہ "معمرین" (بڑی عمر پانے والے لوگوں) میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے ۳۸۰ برس عمر پائی تھی، خطابت کے ضمن میں کئی باتیں ان سے منسوب ہیں (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ).

۳۹۔ اوس بن حارث بھی عرب کے موحدین میں سے تھا، دوسرے کوائف نامعلوم ہیں.

لاتسبو الورقة فانی رأیت له جنة او جنتین (۴۰)

تم ورقہ کو برا بھلا مت کہو، اس لیے کہ میں نے ان کے لیے ایک یا دو باغ دیکھے ہیں.

اور البزاز نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے، کہ وہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق پوچھا تو ہم نے کہا: "وہ قبلہ کو مانتا تھا اور کہتا تھا کہ میرا دین دین ابراہیمی ہے"۔

آپؐ نے فرمایا:

"یہ ایک ہی امت ہے، جو میرے اور عیسیٰؑ بن مریم کے درمیان اٹھائی جائے گی"

۴۰۔ مستدرک حاکم (جلد۱) میں یہ روایت ان الفاظ میں ملتی ہے:

عن عروه عن عائشة رضی الله عنها قالت سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ورقة فقال له خدیجة انه کان صدقك ولکنّه مات قبل ان تظهر فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم رأیته فی المنام وعلیه ثیاب بیض ولو کان من اهل النار لکان علیه لباس غیر ذالك .... هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ورقہ کے متعلق پوچھا گیا، حضرت خدیجہؓ بولیں: انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی، لیکن وہ اس وقت فوت ہو گئے تھے، جبکہ ابھی آپؐ نے اپنی نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا، آپؐ نے فرمایا، کہ مجھے ورقہ کو، خواب میں سفید کپڑوں میں ملبوس دکھایا گیا ہے اور اگر وہ جہنمی ہوتے تو دوسرے لباس میں دکھائے جاتے ۔ یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح ہے، البتہ اسے بخاری و مسلم نے تخریج نہیں کیا.

اور ہم نے آپؐ سے ورقہ بن نوفل کے متعلق پوچھا، آپ سے کہا گیا کہ یارسول اللہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرتا تھا اور کہتا تھا:

"میرا خدا وہی ہے جو زید کا ہے اور میرا دین وہی ہے جو زید کا دین ہے"

تو آپؐ نے فرمایا:

"میں نے اسے جنت کے وسط میں اس حال میں چلتے ہوئے دیکھا ہے کہ اس پر سندس کی ایک بڑھیا پوشاک تھی"۔(۴۱)

ابو نعیم نے دلائل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ قس بن ساعدہ سوق عکاظ میں اپنی قوم کو خطبہ دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے خطبے کے دوران میں کہا:

"بہت جلد تمہارے سامنے اس جانب سے حق ظاہر ہو جائے گا۔ (اور اس نے مکے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا)' لوگوں نے پوچھا کہ اس حق کو کون ظاہر کرے گا" کہا "ایک ایسا شخص جو لوئی بن غالب کی اولاد میں سے ہو گا' وہ تمہیں کلمۂ اخلاص اور ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی اور نعمتوں کی طرف بلائے گا۔ جو کبھی ختم نہ ہوں گی اگر وہ تمہیں بلائے تو اس کی بات قبول کرنا اور اگر یہ علم ہوتا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت زندہ رہوں گا تو میں وہ پہلا شخص ہوتا جو ان کی اتباع کرتا(۴۲)۔

۴۱۔ السیوطی، بحوالہ مسند البزاز۔

۴۲۔ السیوطی بحوالہ ابو نعیم: دلائل النبوۃ۔ اس حدیث کو ناقدین نے ضعیف، بلکہ موضوع قرار دیا ہے، دیکھیے السیوطی، اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ، قاہرہ ۱۳۱۷ھ، ۱: ۹۵۔۱۰۰۔

امام الطبرانی نے اپنی کتاب المسند الکبیر میں ' ایسی سند سے جس کے رجال ثقہ ہیں' غالب بن ابجر (۴۳) سے روایت کی ہے ' کہتے ہیں کہ [ایک مرتبہ] قس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تذکرہ ہوا' تو آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قس پر رحم فرمائے' پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ قس پر ''رحمت'' کی دعا کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں' اس لیے کہ وہ ہمارے جد امجد اسماعیل بن ابراہیم کے دین پر تھے (۴۴).

اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں جامع بن حران سے نقل کیا ہے کہ اوس بن خارجہ ''دعوت حق'' اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا ذکر کرتا تھا اور اسی بات کی اس نے مرتے وقت اپنے بیٹے مالک کو بھی وصیت کی تھی (۴۵).

الغرض جس طرح ان لوگوں کا ایمان لانا ثابت ہوتا ہے اسی طرح جناب عبد المطلب کا مومن ہونا بھی ثابت ہوتا ہے ' چنانچہ ابن سید الناس نے اپنی کتاب السیرۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب عبدالمطلب کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر زندہ کیا' یہاں تک کہ وہ نبی اکرم

۴۳۔ غالب بن ابجر کا نسبی تعلق قبیلہ بنو مزینہ سے تھا' ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں کہ انہیں شرف صحابیت حاصل تھا' وہ کوفی تھے' دوسرے قول کی رو سے وہ غالب بن دیخ تھے' ان سے ایک روایت سنن ابی داؤد میں بھی مروی ہے' دیگر حالات معلوم نہیں ہیں (الاصابہ ' ۳/ ۱۸۳).

۴۴۔ الطبرانی ' المسند الکبیر۔ حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے الاصابہ (۳/ ۱۸۳) میں غالب بن ابجر سے قس کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قس کا ذکر ہوا تو فرمایا: قس اللہ کا شیر ہے.

۴۵۔ ابن عساکر : تاریخ .

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے (۴۶) لیکن یہ حدیث "ائمہ" محدثین میں سے کسی سے بھی مروی نہیں ہے، حتی کہ اس بارے میں کوئی ضعیف روایت بھی نہیں ملتی ہے[اس لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی].



۴۶۔ السیوطی، بحوالہ ابن سیدہ : السیرۃ.

[باب ۳]

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے
والدین سعیدین کے ایمان کا اثبات

اب آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین جناب عبد اللہ اور حضرت آمنہ کے ایمان کا اثبات تورہ گئی ،اگر اس بارے میں ہمارے مدعا کے خلاف دلالت کرنے والی روایات نہ ہوتیں تو ہمیں طویل بحث کی ضرورت نہ تھی.

ہم ابتداءان روایات کا ذکر کریں گے جو ہمارے دعوے کے خلاف پر دلالت کرتی ہیں، پھر ان کے جواب ، بعض روایات کی تاویل بیان کریں گے۔ بعد ازاں ہمارے مؤقف کے حق میں دلائل کا تذکرہ کریں گے ،تمام توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہے.

ا۔ مخالف روایات

(ا) الحاکم نے ایوب بن ہانی عن مسروق (ابن اجدع) عن ابن [عبد اللہ بن مسعود] کی سند سے روایت کیا ہے، کہ حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں:

خرج رسول الله عليه وآله وسلم ينظر فى المقابر وخرجنا معه فامرنا فجلسنا ثم تحظأ (تحظى؟) القبور حتى انتهى الى قبر منها فناجاه طويلا ثم ارتفع [نحيب رسول الله صلى الله عليه وسلم] باكيا فبكينالبكائه فتلقاه عمر [ابن الخطاب] فقال يارسول الله ماالذى ابكاك فقد ابكا نا وافز عنا فجاء [ف] جلس الينا فقال افزعكم بكائى [ف] قلنا نعم [يارسول الله] قال ان القبرالذى رأيتمو نى اناجيه فيه قبر آمنة بنت وهب وانى استا ذنت ربى فاذن لى فاستاذنته فى الاستغفار فلم ياذن لى فنزل

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبرستان کی زیارت کے لیے گئے۔ اس وقت ہم بھی آپؐ کے ہمراہ تھے، آپؐ نے ہمیں (بیٹھنے کا) حکم دیا تو ہم بیٹھ گئے پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کو پھلانگتے ہوئے ایک قبر کے پاس پہنچے۔ آپؐ نے وہاں طویل سرگوشی کی، پھر آپؐ روتے ہوئے قبر کے پہلو سے اٹھ گئے، ہم بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رونے کی بنا پر رونے لگ گے، پھر جب آپؐ اٹھ کر ہماری جانب آرہے تھے تو حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنے سے آتے ہوئے ملے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ

ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفرو للمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ماتبین لهم انهم اصحب الجحیم O وما کان استغفار ابراهیم لا بیه الا عن موعدة وعدها ایاه فلما تبین له انّه عدو لله تبرأمنه ان ابراهیم لا واه حلیم (۱)۔ فاخذنی ما یاخذ الولد للوالدة من الرقة فذا لك الذی ابکانی.

کیوں روئے ہیں، اس لیے کہ اس سے ہمیں بھی رونا آگیا اور اس نے ہمیں بھی گھبراہٹ میں ڈال دیا ہے، پھر آپؐ ہمارے قریب آکر بیٹھ گئے اور فرمایا:

وہ قبر کہ جس کے پاس دعا کرتے ہوئے تم نے مجھے دیکھا وہ آمنہ بنت دھب [میری والدہ ماجدہ] کی قبر ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت مل گئی، پھر میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں ملی اور مجھ پر یہ آیت نازل ہوئیں:

"نبی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں اگرچہ وہ (مشرکین) ان کے رشتہ

۱۔ التوبہ (۹/ ۱۱۳۔۱۱۴).

دار ہوں جب ان پر یہ ظاہر ہو جائے
کہ وہ (لوگ) جہنمی ہیں اور ابراہیمؑ کا
اپنے والد کے حق میں دعاے مغفرت
کرنا تو محض ایک وعدہ کے سبب تھا جو
انہوں نے اس سے کر لیا تھا' پھر جب
ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا
دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو
گئے' بے شک ابراہیم بڑے ہی نرم دل
اور بردبار تھے".

اس سے مجھ پر وہ جذبہ طاری ہو گیا جو ہر
بیٹے پر اپنی والدہ کی طرف طاری ہوتا
ہے' بس اسی بات نے مجھے رلا دیا".

الحاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے' مگر الذہبی نے شرح المستدرک میں اس پر الحاکم کا مؤاخذہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایوب بن ہانی کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے (۲).

۲۔ الحاکم النیسابوری: مستدرک (مطبوعہ حیدر آباد دکن)' ۳۳۶/۲' کتاب التفسیر سورۃ التوبہ۔ الحاکم لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہے' مگر دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔ قاضی صاحبؒ نے اس حدیث کو تفسیر مظہری (۳/۴۷) میں بھی درج کیا ہے۔ تاہم جیسا کہ متن کتاب میں ہے' امام الذہبی نے اس حدیث کو ضعیف (کمزور) قرار دیا ہے' چنانچہ علامہ السیوطیؒ' مسالک (ص ۲۲) میں فرماتے ہیں کہ "یہ روایت ضعیف ہے اور صحیحین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت جناب ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی".

(۲) الطبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس آئے اور عمرہ کیا تو آپ ثنیۂ عسفان سے نیچے اترے اور آپ اپنی والدہ کی قبر پر گئے' اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود والی روایت بیان کی ہے اور اس میں آیت کا نزول بیان کیا ہے، مگر اس کی سند [بھی] ضعیف ہے۔"(۳)

(۳) ابن سعد اور ابن شاہین نے "حضرت بریدہؓ" سے روایت کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر کے	لما فتح رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة 'اتى قبرامه فجلس فذكر نحوه (۴)۔

۳۔ تفسیر مظہری (تفسیر سورۃ التوبہ).

۴۔ ابن سعد کی روایت کا پورا متن اس طرح ہے:

(ابتدائی سند کے بعد) حضرت ابن بریدہ اپنے والد حضرت بریدہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کیا تو آپ ایک قبر کے نشان پر آئے پھر آپ بیٹھ گئے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس بیٹھ گئے' پھر آپ ایسے	قال اخبرنا قبيصة بن عتبه ابو عامر السوائى اخبرنا سفيان بن سعيد الثورى عن علقمة بن مرثد عن ابن بريدة عن ابيه قال لما فتح رسول الله عليه وسلم مكة اتى جذم قبر فجلس اليه وجلس الناس حوله فجعل كهيئة المخاطب ثم قام وهو يبكى فاستقبله عمر

پاس گئے اور وہاں جا کر بیٹھ گئے، پھر اس
کے بعد روایت حسب سابق ہے.

(۴) اور ابن جریرؒ اور شاہین کی بریدہ سے روایت کے یہ الفاظ ہیں:
"جب مکہ فتح ہوا تو آپ مکہ مکرمہ آئے اور آپ اپنی والدہ کی قبر کے نشان کے پاس آئے"(۵)

(۵) ابن جریر کے ہاں یہ روایت ایک اور طرح بھی ہے:

وکان من اجرأ الناس فقال بابی انت وامی یارسول الله ما الذی ابکاك فقال هذا قبر امی سألت ربی الزیارة فاذن لی وسألته الا ستغفار فلم یاذن لی فذکرتها فرققت فلم یریوما کان اکثر باکیا من یومئذ (ابن سعد، ۱/۱۱۷)

متوجہ ہوئے، جیسے کسی سے مخاطب ہوں، پھر آپؐ روتے ہوئے اٹھ گئے، حضرت عمرؓ نے آپؐ کے سامنے آئے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو میں تمام لوگوں سے زیادہ بے تکلف تھے، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، آپ کیوں روئے ہیں، فرمایا: یہ میری والدہ کی قبر ہے، میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تھی، تو مجھے اجازت مل گئی، پھر میں نے دعائے مغفرت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہ ملی، میں نے اپنی والدہ کو یاد کیا تو مجھ پر رقت طاری ہو گئی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن سے زیادہ کبھی روتے ہوئے نہ دیکھا گیا.

۵۔ تفسیر ابن جریر، ۱۴/۵۱۰، طبع محمود محمد شاکر، دار المعارف، قاہرہ، حدیث کا متن اس طرح ہے: لما قدم رسول الله علیه وسلم مکة وقف علی قبرامه حتی سنخت علیه الشمس رجاء ان یوذن لها حتی نزلت ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفرو اللمشرکین ولو کآنوا اولی قربیٰ.

لما قدم مكة و وقف على قبرامه حتى سنخت عليه الشمس رجاء ان يوذن له فيستغفر لها فنزلت.....(۶)	جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ آئے تو اپنی والدہ کی قبر کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ آپ کو سورج کی تپش محسوس ہونے لگی، اس امید پر کہ ان کے لیے آپ ﷺ کو استغفار کی اجازت مل جائے۔ اس وقت (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی۔

ابن سعد اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ روایت غلط ہے، سیدہ آمنہ کی قبر مکہ میں نہیں ہے، بلکہ [مقام] ابواء (۷) میں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا حدیث کے تمام طرق کمزور (معلول) ہیں، حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے صحیح البخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ:

"جن لوگوں نے ابن مسعود کی حدیث کی صحت کا قول کیا ہے وہ اس لیے نہیں کیا کہ وہ فی ذاتہ صحیح ہے، بلکہ اس کے مختلف طرق سے وارد ہونے کی بنا پر کیا ہے اور میں نے ان پر غور کیا ہے تو میں نے ان تمام کو کمزور (معلول) پایا ہے"۔

۶۔ تفسیر الطبری، ۱۴/۵۱۱، (طبع محمود محمد شاکر)۔

۷۔ ابن سعد، ۱/۱۱۷ (ذکر وفاة آمنه ام رسول صلى الله عليه وسلم)۔ اخبارات کے مطابق گزشتہ سال ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء میں حکومت سعودیہ نے والدہ قدسیہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے نشان کو مسمار کر دیا ہے۔

اس حدیث میں ایک اور علت بھی ہے، وہ یہ کہ یہ روایت صحیح البخاری میں مذکورہ حدیث کے مخالف ہے، اس لیے کہ صحیح البخاری میں ہے کہ یہ آیت مبارکہ مکہ مکرمہ میں جناب ابو طالب (۸) کی وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے لیے استغفار کرنے کے بعد، نازل ہوئی (۹).

(۶) اس حدیث کا سب سے صحیح طریقہ وہ ہے، جس سے اسے الحاکم نے روایت کیا ہے اور اسے شیخین کی شرط پر [صحیح] قرار دیا ہے:

انه زار قبرامه فی الف مقنع فما رای اکثر باکیا من ذالك الیوم (۱۰).

حضرت بریدہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار زرہ پوش صحابہؓ کے ساتھ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، میں نے

۸۔ ابو طالب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار چچا، حضرت علیؓ کے والد محترم اور جناب عبدالمطلب کے فرزند تھے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اپنے بچوں کی طرح کی، بلکہ وہ آپ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ چاہتے تھے۔ وہ اپنے گھر والوں کو اس وقت تک کھانا نہ کھلاتے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آجاتے، انہوں نے اپنی وفات ۱۰ ن ر ۳ ق ھ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی اور ہر طرح معاونت فرمائی، مگر صحیح روایات کے مطابق انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا (ابن سعد، ۱/۱۰۱۔۱۰۲)

۹۔ البخاری، ۳/۲۲۸ (کتاب الجنائز، باب ۸۳: مایکرہ من الصلاۃ علی المنافقین، حدیث ۱۳۶۶، (کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ توبہ).

۱۰۔ الحاکم: مستدرک، ۲/۶۰۵ (کتاب التاریخ، زیارتہ صلی اللہ علیہ وسلم).

اس دن سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا.

اور اس حدیث کے ان الفاظ میں کوئی علت نہیں ہے اور یہ دوسری احادیث کی مخالف ہے اور نہ اس میں استغفار سے کوئی ممانعت ہے اور بعض اوقات رونا محض اس رقت کی بنا پر طاری ہو جاتا ہے جو اکثر قبروں کی زیارت کے موقع پر زیارت کرنے والوں، پر عذاب یا گناہوں کے تصور کے بغیر، طاری ہو جاتا ہے.

(۷) اسی طرح وہ روایت ہے جو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں:

زار النبی صلی الله علیه وسلم قبرامه فبکی وبکی حوله فقال استاذنت ربی [فی ان استغفر لها] فلم یؤذن لی واستأذنته فی ان ازور قبر هافاذن لی فزوروا القبور فانها [تذکر کم] الموت (۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپ رو دیئے، جس سے آپؐ کے آس پاس کے لوگ بھی رو پڑے، فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تھی، مگر مجھے اجازت نہیں ملی، پھر میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت مل گئی، سو تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو، اس لیے کہ اس سے تمہیں موت یاد آئے گی.

۱۱۔ مسلم، ۲/۶۷۱، حدیث ۱۰۵ (۹۷۶) کتاب الجنائز، باب ۳۶، و ۱۰۸ (۹۷۶).

یہ روایت حضرت آمنہ کے مشرکہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی، اس لیے کہ ممکن ہے کہ یہ استغفار کرنا معاصی (گناہوں) کی بنا پر ہو اور اس وقت ایسے لوگوں کے لیے استغفار کی اجازت نہ ہو، جیسے کہ ابتدائی دنوں میں اس شخص پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ تھی جو مقروض ہوتا اور ادائیگی قرض کا ذریعہ چھوڑ کر نہ مرتا[۱۲]۔

(۸) ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے ابن شاہین نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور جسے حاکم نے مستدرک میں صحیح قرار دیا ہے اور اسے حضرت عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

عن ابن مسعود [رضى الله عنه] قال جاء ابنا مليكة [وهما من الانصار] فقالا يارسول الله ان امنا كانت [تحفظ على البعل] وتكرم الضيف و آدت [اى دفنت] فى الجاهلية فاين امنا فقال امكما فى النار فقاما وقد شق ذالك عليهما فدعاهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجعا فقال امّى مع امكما فقال منافق من الناس [الى] مايغنى هذا من امه [الا] مايغنى ابنا مليكة عن امهما [ونحن نطأ

حضرت ملیکہؓ کے دو بیٹے [جو انصار سے تعلق رکھتے تھے] خدمت نبوی میں آئے اور عرض کیا یارسول اللہ! ہماری والدہ [اپنے خاوند کے سامان کی حفاظت کرتی] اور مہمان کا احترام کرتی تھیں، وہ زمانہ جاہلیت میں فوت ہو گئی ہے، اب ہماری ماں کہاں ہے؟ فرمایا تمہاری ماں جہنم میں ہے۔ وہ دونوں یہ سن کر اٹھ گئے، مگر یہ بات انہیں بہت گراں گزری، جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے۔ لوگوں میں سے ایک

۱۲۔ السیوطی، مسالک، ص ۲۴.

عقبيه] فقال شاب من الانصار [كان اكثر سوالاً لرسول الله صلى الله عليه وسلم منه] يارسول الله ارای ابواك فی النار [فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم] ماسألتهما ربی فيغطينی فيهما وانی لقائم [يومئذ] المقام المحمود ... (۱۳)

منافق نے کہا کیا یہ (نبیؐ) اپنی والدہ کی طرف سے اتنی بات کی ہی کفایت کر سکتا ہے جس کی یہ دونوں ملیکہ کے فرزند اپنی والدہ کی طرف سے کرتے ہیں [حالانکہ ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں]۔ایک نوجوان انصاری نے[جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت سوالات پوچھتا تھا] عرض کیا یارسول اللہ آپ کے والدین جہنم میں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں مقام محمود پر کھڑا ہوں گا میں رب تعالیٰ سے ان کے متعلق جو مانگوں گا مجھے ملے گا"۔

۱۳۔ الحاکم، مستدرک، ۲/۳۶۴۔امام الحاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، مگر بخاری و مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی، اس کا راوی عثمان بن عمیر ابن الیقطان ہے؛ نیز دیکھیے ابن حنبل: مسند احمد، ۷/۳۱۔اس حدیث کے بعض دوسرے طرق بھی قابل ذکر ہیں، مثال کے طور پر ایک دوسرا متن اسی طرح ہے، کہ ان دونوں نے کہا: ان امنا كانت تكرم الزوج و تعطف عليه الولد قال و ذكر الضيف غير انها كانت وأدت فی الجاهلية قال امكما فی النار فادبرا والشر يری فی وجوهما فامر بهما فردا فرجعا والسرور يری فی وجو هماراجيا ان يكون قد حدث شئ فقال امی مع امكما فقال رجل من المنافقين و مايغنی هذا عن امه شيئا و نحن نطأعقبيه فقال رجل من

میرا خیال ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کرنے سے قبل کا ہے۔

چنانچہ (۹) احمد بن حنبلؒ نے ابو مدین العقیلیؒ سے روایت کی ہے:

قال قلت یارسول الله این امی قال امك فی النار فقلت فاین من مضی من اهلك قال اماترضی ان تکون امك مع امی (۱۴)

کہتے ہیں کہ میں نے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں کہاں ہے؟ فرمایا: تیری ماں جہنم میں ہے، میں نے کہا: پھر آپؐ کے گھر کے جو لوگ فوت ہو گئے ہیں وہ کہاں ہیں؟ فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تیری ماں میری ماں کے ساتھ ہے۔

(۱۰) بعض تفسیروں میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

الانصار ولم او رحلا اکثر سوالاً یا رسول الله هل وعدك ربك فیها او فیهما قال فظن انه قد سمعه من شئی قد سمعه فقال ما سألته ربی وما اطعمنی فیه وانی لاقوم المقام المحمود یوم القیامة (مسند احمد، ۲۱/۴)، مگر لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے (ترجمہ حسب متن)۔

۱۴۔ مسند احمد، ۴۸۲/۱۳، حدیث ۶۱۳۳، ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: قال قلت یارسول الاله این امی قال امك فی النار قال قلت فاین من مضی من اهلك قال اما ترضیٰ ان تکون امك مع امی (اس کی سند صحیح ہے، نیز دیکھیے ابو داؤد الطیالسی، ص ۱۴۷، حدیث ۱۰۹۰، الطبرانی: الکبیر، ۲۸/۱۹، عدد ۴۷)۔

لیت شعری مافعل بابوای فنزلت: اے کاش میں جانتا ' کہ میرے

وَلَا تُسْأَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيمِ (۱۵) والدین کا کیا حال ہے ' تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "اور آپ سے اہل جہنم کے متعلق نہ پوچھا جائے گا".

(۱۱) ایک اور حدیث وہ ہے جو مسلم اور ابو داؤد نے حماد بن سلمہ ' عن ثابت عن انس کی روایت سے نقل کی ہے کہ ایک شخص نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں ' پھر جب

۱۵۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر میں اس پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے:

"البغوی نے لکھا ہے کہ عطاء نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ "کاش مجھے علم ہوتا کہ میرے والدین کس حال میں ہیں" تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی.

اور عبدالرزاق کہتے ہیں کہ مجھ سے (سفیان) الثوری نے موسیٰ بن عبیدہ سے ' انہوں نے محمد بن کعب القوطی سے یہ روایت بیان کی ہے [......].

اور ابن جریر (الطبری) نے ابن جریج سے ' وہ کہتے ہیں کہ ان سے واقد بن عاصم نے اسی طرح کی روایت کی ہے جو ان کے نزدیک پسندیدہ ہے اور نہ ہی قوی" اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو ' تو بھی یہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا اپنا گمان ہے اور اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ فرمایا تھا کہ " کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے والدین کا کیا حال ہے" اور اس وقت یہ آیت اتفاقاً نازل ہو گئی ' تو اس میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس جگہ "اصحاب جہنم" سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی والدین ہیں اور اگر اس بات کو بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی یہ آیت ان کے کفر پر دلالت نہیں کرتی۔ اس لیے کہ بعض اوقات کوئی مومن بھی معاصی کی بنا پر "اصحاب جہنم" میں سے ہو سکتا ہے ' تا آنکہ اسے کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت حاصل نہ ہو جائے یا پھر نوشتہ تقدیر اپنے انجام کو پہنچ جائے (مظہری '۱/ ۱۳).

وہ منہ موڑ کر جانے لگا تو آپ نے اسے قریب بلایا اور فرمایا: "بے شک میرا اور تیرا باپ جہنم میں ہیں"۔ (۱۶)

یہ حدیث ان احادیث میں سے ایک ہے جن کی روایت میں امام مسلم امام بخاری سے منفرد ہیں اور اس کے بعض راویوں پر جرح کی گئی ہے اور ثابت (۱۷) اگرچہ ثقہ امام ہیں، لیکن ابن عدی نے ان کا ذکر اپنی کتاب الضعفاء میں کیا ہے اور حماد بن سلمہ بھی اگرچہ عابد و عالم بزرگ تھے، مگر ایک جماعت نے ان کی روایات پر تنقید کی ہے (۱۸) اور امام بخاریؒ کی صحیح بخاری میں ان سے کوئی حدیث تخریج

۱۶۔ مسلم، ۱/۱۹۱ (کتاب الایمان، باب ۸۷، حدیث ۳۷۷ (۲۰۳)، باب ۸۸، بیان انه من مات علی الکفر ......روایت کے راوی حماد بن سلمہ بن دینار تابعی یا التمیمی یا القرشی تھے، جو ابو سلمہ کے مولی تھے، وہ نمایاں علمائے تابعین میں سے تھے، وہ ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی وفات ۲۳۷ھ میں ہوئی۔ بقول الخزرجی (۱/۸۷) وہ امام ثقہ تھے۔

اس روایت میں پوچھنے والے شخص کی صراحت نہیں ہے، لیکن بعض دیگر روایات کی رو سے یہ وہی ابو رزین العقیلی تھے، جن کا تذکرہ پیچھے آچکا ہے یا پھر حسین بن عبید والد عمران تھے؛ مسند احمد میں یہ روایت ابو رزین سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ کے متعلق پوچھا تھا کہ وہ کہاں ہیں؛.... (السھیلی)۔

۱۷۔ ثابت اسلم البنانی، ابو محمد البصری وہ اپنے دور میں بصرہ کے نامور تابعین میں سے تھے، ابن المدینی کہتے ہیں کہ ان سے ۲۵۰ احادیث مروی ہیں، انہوں نے ۱۲۳ھ میں انتقال کیا (الاکمال، ص ۳۰۳؛ الخزرجی، ص ۴۸)۔

۱۸۔ وہ سلمہ بن دینار کے بیٹے تھے، ان کی کنیت ابو سلمہ الربعی ہے، یہ ربیعہ بن مالک کے آزاد کردہ اور حمید الطویل کے بھانجے تھے، بصرہ کے مشہور علما، وہاں کے مشہور ائمہ میں شمار ہوتا ہے، ان سے بہت سی احادیث مروی ہیں، انہوں نے ۱۶۷ھ میں انتقال کیا (الاکمال، ص ۳۱۳۔ تمام ائمہ کے نزدیک ثقہ بزرگ تھے (دیکھیے الخزرجی)۔

نہیں کی گئی۔ الذہبی فرماتے ہیں کہ حماد ثقہ ہے، مگران کے "اوھام" اوران کی بہت سی "مناکیر" ہیں اور انہیں یاد نہیں رہتا تھا اور لوگ کہتے ہیں کہ ان کی کتابیں مٹ گئی تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن ابی العرجاء ان کے ربیب (کنار پروردہ) نے ان کی تحریروں کو مٹادیا تھا[19] اوران کی منکر روایات میں سے وہ روایت ہے جو قتادہ نے عکرمہ عن ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ:

رأيت ربى جعدا امردا عليه حلة خضراء

"میں نے اپنے پروردگار کو گھنگریالے بالوں والے نوجوان لڑکے کی صورت میں دیکھا کہ جسم پر سبز رنگ کی پوشاک تھی"

اور حضرت انسؓ کی حدیث میں متن کے اعتبار سے ایک اور بھی علت (ضعف) ہے، وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کوئی بدو کوئی بات پوچھتا اوراس کو صاف جواب دینے سے فتنے اوراس کے قلبی اضطراب کا اندیشہ ہوتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے توریہ[20] اور ایہام والا جواب دیتے تھے،

۱۹۔ مسالک الحنفاء، ص ۲۳؛ السیوطیؒ نے مزید لکھا ہے کہ "حماد کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا اور حدیث بیان کرتے ہوئے انہیں وہم ہو جاتا تھا، اسی لیے بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ مسلم نے ان کی فقط ثابت سے روایت کو لیا ہے (ص ۲۳).

۲۰۔ توریہ (Syllepsis)، علم بلاغت کی ایک اصطلاح ہے، جو علم بدیع کی ایک صفت پر دلالت کرتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس کے دو معنی ہوں ایک قریب کا اور دوسرا دور کا اور دور والا معنی قریبی معنی میں اس طرح مخفی ہو کہ سامع کے ذہن میں اس کا خیال نہ آئے، اسے "ایہام" بھی کہتے ہیں (مفتاح العلوم، ص ۱۸۰).

جیسے کہ اس حدیث میں ہے جو البخاری میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے قیامت کے متعلق پوچھا تو آپ نے حاضرین میں سے سب سے نوعمر شخص کی طرف دیکھا اور فرمایا: اگر اس شخص کی عمر طویل ہوئی تو اس کے مرنے سے قبل قیامت آجائے گی (۲۱).

علمائے کرام "فرماتے ہیں کہ بدو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق بکثرت پوچھا کرتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے سے "مجھے اس کا علم نہیں" ان کے متعلق فتنے کا اندیشہ ہوا، کہ مبادا وہ نبوت میں شک کرنے لگیں، لہذا آپؐ نے اس کا جواب توریۂ کی صورت میں دیا اور اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ اگر یہ نوجوان اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ جائے تو اس کو اس وقت تک موت نہ آئے گی تا آنکہ سب حاضرین پر ان کی قیامت موت کی صورت میں نہ آجائے گی اور ان کے لیے قیامت کا قائم ہونا دراصل ان میں سے ہر ایک پر موت کا آنا ہے".

۲۱۔ مسند احمد '۱۱/۱۶۷' حدیث ۱۳۱۵۷' پوری حدیث اس طرح ہے: ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متی تقوم الساعة وعندہ غلام من الانصار یقال لہ محمد فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعش ھذا الغلام فعسی ان لایدرکہ الھرم حتی تقوم الساعة' یعنی ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی 'اس وقت آپؐ کے پاس محمد نامی انصار کا ایک لڑکا بیٹھا تھا' آپ نے فرمایا کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو اس کے بڑھاپے سے پہلے پہلے ممکن ہے کہ قیامت آجائے.

دوسری روایت میں اس کی تفصیل ہے: عن انس رضی اللہ عنہ' ان اعرابیاً سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قیام الساعة فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماأ عدت لھا قال لا اِلا انّی احب اللہ ورسولہ قال المرء مع من احب ثم قال این السائل عن الساعة قال وثم غلام فقال ان یعش ھذا فلن یبلغ الھرم حتی تقوم الساعة.....(مسند' ۱۱/۱۲۰' حدیث ۱۳۱۵۷).

(۱۲) جب آپ نے یہ بات سمجھ لی تو مسلم کی مذکورہ روایت کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ مسلم کے راویوں میں سے جن حضرات نے ان الفاظ سے روایت کی ہے، کہ "میرا اور تیرا باپ جہنم میں ہے" انہوں نے اسے بالمعنی طریقے سے روایت کیا ہے اور اصل قصہ وہ ہے جو البزاز نے اپنی مسند میں اور الطبرانی نے مسند الکبیر میں ایسی سند سے، جو صحیح کے رجال میں سے ہیں، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ ایک بدو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔ اس نے کہا: تمہارا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: "تو جہاں بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے جہنم کی بشارت (وعید) سنا دے"(۲۲).

یہ حدیث صحیح ہے اور اس بارے میں صراحت ہے کہ سائل ایک بدّو تھا، جس کے بارے میں فتنے (ارتداد) کا گمان تھا۔ ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین اور بدو کے والدین کے انجام کے اختلاف کے بارے میں دوٹوک جواب کو بدو کے ارتداد کا اندیشہ ہونے کی بنا پر ناپسند فرمایا ہو، لہذا اس جواب سے دونوں کے ایک مقام ہونے کا اسے تاثر دیا۔ اسی لیے بعض حفاظ حدیث کہتے ہیں کہ اگر حدیث کو ساٹھ وجوہ سے نہ لکھا جائے تو ہم اسے نہ سمجھ سکیں گے اور صحیح میں بہت سی احادیث اسی نہج پر وارد ہوئی ہیں ۔ مثال کے طور پر مسلم (شریف) میں ایک روایت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کی ممانعت کے بارے میں ہے(۲۳)، مگر امام شافعیؒ نے اس

۲۲۔ السیوطی، مسالک، ص ۲۳، بحوالہ الطبرانی، مسند الکبیر اور لکھا ہے کہ وہ اعرابی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

۲۳۔ دیکھیے حاشیہ (۲۴).

حدیث کی اسی طرح تاویل کی ہے، اور کہا ہے کہ جو بات دوسرے طرق سے ثابت ہے وہ صحابہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ کی سماعت کی نفی ہے (۲۴) جس سے راوی نے اس کے پڑھنے کی نفی سمجھ لی، لہذا انہوں نے اسے اپنی سمجھ کے مطابق بالمعنی طریقے پر روایت کر دیا، مگر انہوں نے سمجھنے میں خطا کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہی حکم اس حدیث کا ہے جس میں مذکور ہے کہ "میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے"۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس سے مراد دونوں کی عالم برزخ میں معیت ہو۔

علاوہ ازیں کسی شخص کا جہنم اور اصحاب جہنم میں سے ہونا، اس کے کافر ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ بعض اوقات ایسا کسی معصیت (گناہ) کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے، تا آنکہ شفاعت یا کسی اور بنا پر اسے مغفرت خداوندی حاصل نہ ہو جائے یا پھر سزا کا مقررہ زمانہ پورا ہو جائے جبکہ آیت مبارکہ:

۲۴۔ مسلم، ۱/۲۹۹، کتاب الصلاۃ، باب ۱۳، حدیث ۳۹۹: حجة من قال لا يجهر بالبسملة،

حدیث اس طرح ہے:

صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر و عمر وعثمان فلم اسمع احدا منهم يقرأ بسم الله الرحمن الرحيم فكانو يفتحون بالحمد لله رب العلمين لايذكرون بسم الله الرحمن الرحيم فى اول قراءة ولافى آخرها.

مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، مین نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم باآواز بلند پڑھتے نہیں سنا، یہ لوگ نماز کی ابتداء الحمد اللہ رب العلمین سے کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ توشروع میں پڑھتے اور نہ آخر مین۔

مگر امام شافعیؒ اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں.

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ (۲۵)

پیغمبرؐ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے بخشش مانگیں۔

کے اس موقع پر نزول کا قصہ محض راوی کا وہم ہے اور صحیح قول وہ ہے جو البخاری میں ہے کہ مذکورہ آیت جناب ابو طالب کی وفات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے لیے استغفار کرنے کے موقع پر نازل ہوئی (۲۶)۔

۲۵۔ التوبہ (۹/ ۱۱۳)۔

۲۶۔ البخاری '۸/ ۳۸۱ (کتاب التفسیر' باب تفسیر ۱۰' التوبہ' باب ۱۶) پوری روایت اس طرح ہے:

حضرت ابا طالب الوفاة فدخل علیه النبی صلی الله علیه وسلم و عنده ابو جهل و عبد الله بن ابی امیة فقال النبی صلی الله علیه وسلم ای عم قل لا اله الا الله احاج لك بها عند الله فقال ابو جهل و عبد الله بن ابی امیة یا ابا طالب اترغب عن ملة عبد المطلب ؟ فقال النبی صلی الله علیه وسلم لا ستغفرن لك مالم انه عنك فنزلت ما کان للنبی الی آخره .

حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے 'وہ اپنے والد میتب سے نقل کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے' اس وقت' ان کے پاس ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ بیٹھے تھے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چچا جان: لا له الا اللہ پڑھ لیں تاکہ میں اس کی بنا پر آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں جھگڑا کروں' ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا 'اے ابو طالب کیا تو عبد المطلب کے دین سے انحراف کرے گا؟ [اس کے بعد....] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا' تا آنکہ مجھے اس سے روک نہ دیا جائے' اس پر یہ آیت ما کان للنبی......

اس تفصیلی مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی بھی حدیث ہمارے "موقف" کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ان روایات سے تو الٹا ہمارے موقف پر دلالت ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی وفات پر بہت زیادہ غمگین اور افسردہ تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ خود بھی روئے اور آپؐ نے اپنے آس پاس کے لوگوں کو بھی رلا دیا اور فرمایا کہ "مجھ پر وہ حالت طاری ہو گئی جو بیٹے کو اپنی والدہ کے بارے میں طاری ہو جاتی ہے" اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد مبارکہ:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (۲۷) اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے

کے ذریعے آپؐ کو خوش کرنے کا وعدہ کیا ہے، چنانچہ عقل سلیم کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تحویل قبلہ کے لیے آسمان کی طرف بار بار اٹھتا ہوا دیکھا تو ارشاد فرمایا:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۲۸) سو تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے

آخر تک نازل ہوئی.
دنیاے اسلام کے پہلے عظیم مفسر قرآن امام ابو جعفر الطبریؒ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے.

۲۷۔ الضحیٰ (۹۳/۵).

۲۸۔ البقرہ (۲۔۱۴۹ و ۱۵۰)

لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے والدین پر غم وگریہ کی بناپر بدرجہ اولیٰ آپ کو ان کے لیے بخشش طلب کرنے کی اجازت مل جائے گی اور آپ کی قلبی خوشنودی کے لیے والدین کی مغفرت کردی جائے گی، جیسا کہ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث شاہد ہے جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

ماسالتهما ربی فیعطینی ربی وانی لقائم مقام المحمود

میں اپنے رب سے اس وقت، جب میں مقام محمود پر فائز ہوں گا، جو کچھ مانگوں گا وہ مجھے عطا کرے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ہے [illegible] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد مبارک :

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (۲۷) اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے

کے ذریعے آپ کو خوش کرنے کا وعدہ کیا ہے چنانچہ عقل سلیم کہتی ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

کہ اللہ تعالیٰ نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تحویل قبلہ کے لیے آسمان کی طرف بار بار اٹھتا ہوا دیکھا تو ارشاد فرمایا:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۲۸) سو تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے

آخر میں نازل ہوئی۔
دنیائے اسلام کے پہلے عظیم مفسر قرآن امام
ابو جعفر الطبری نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے

۲۷۔ الضحیٰ (۹۳:۵)

۲۸۔ البقرہ (۲:۱۴۴، ۱۵۰)

[باب ۴]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مسلک ومشرب

پھر ایسے علماء جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے قائل ہیں، ان میں سے کچھ علماء تو یہ کہتے ہیں کہ وہ دین توحید اور ملت حنیفہ پر کاربند تھے۔ چنانچہ ابو نعیمؒ نے دلائل النبوہ میں امام الزہری ہے، انہوں نے ام سماعہ بنت ابی رھم سے، انہوں نے اپنی والدہ سے یہ روایت کی ہے کہ میں حضرت آمنہ کی اس بیماری کے دوران میں ان کے پاس موجود تھی جس میں ان کا انتقال ہوا۔ اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابھی پنجسالہ [کذا؟ شش سالہ] لڑکے تھے اور اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے محمد کی طرف دیکھا اور فرمایا:

بارك فيك الله[1] من غلام　　يا ابن الذى من حومة الحمام

نجا بعون الملك المنعام　　فودى غداة الضرب بالسهام

بمأة[2] من ابل سوام[3]　　ان صح ما ابصرت فى المنام

فانت مبعوث الى الانام　　من عند ذى الجلال والاكرام

۱۔ اصل: بارك الله فيك، صحیح از مسالک الحنفاء للسیوطی، ص ۱۴۲۔

۲۔ اصل: مائہ، صحیح، از السیوطی، ص ۱۴۲۔

۳۔ اصل: ابل السوام۔

تبعث فی الحل والحرام تبعث بالتحقیق والاسلام

دین ابیك . ابراهام فاالله انهاك عن الاصنام

ان لا تو الیها مع الاقوام (۴)

(اے لڑکے تجھے خدا برکت دے' اے اس شخص کے بیٹے جو شریف خاندان سے ہے' جو منعم' بادشاہ کی مدد سے نجات پا گیا' میری (اس سے) محبت اسی دن سے ہے' جب ایک سو چرنے والے اونٹوں سے اس کا قرعہ ڈالا جا رہا تھا۔ جو خواب میں نے دیکھا ہے' اگر وہ سچ ہے تو (اے میرے بیٹے) تو پروردگار صاحب جلال و اکرام کی طرف سے' علاقہ حل اور علاقہ حرم میں لوگوں کی طرف مبعوث ہو گا' تجھے تحقیق واسلام کے ساتھ بھیجا جائے گا' یعنی نیکی والے دین' دین ابراہیم کے ساتھ' اللہ تعالیٰ پروردگار نے تجھے بتوں کی پوجا سے روکا ہے' اور اس بات سے کہ کہ تو دوسری قوموں سے دوستی لگائے گا)"۔

پھر کہا "ہر زندہ شخص مرنے والا ہے اور ہر شے بوسیدہ ہو رہی ہے اور ہر کثیر شے مرنے والی اور یاد رکھی جانے والی ہے' میں نے بھلائی کا سرچشمہ (یادگار) چھوڑا ہے اور پاک اولاد پیدا کی ہے"۔

پھر ان کا انتقال ہو گیا تو ہم لوگ جنات کا ان پر نوحہ سنا کرتے تھے جس میں سے ہمیں یہ یاد رہ گیا ہے:

۴۔ السیوطی: مسالک' ص ۱۹۔

تبکی الفتاة البرة الامینة ذات الجمال والعفة الرزینه

زوجة عبد الله والقرینه ام نبی الله ذی السکینه

وصاحب المنبر بالمدینه صارت لدی حفرتها رهینة (۵)

(ہم نوجوان، نیک، امانت دار، صاحب جمال اور پاک دامن خاتون پر، جو جناب عبداللہ کی بیوی اور ان کی رفیقہ حیات ہیں، روتے ہیں، وہ صاحب سکینہ اور اللہ کے نبی کی ماں ہیں، وہ مدینہ منورہ میں منبر والے ہیں، وہ گڑھے میں مکین ہو گئی ہیں)۔

(الغرض) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا یہ قول اس بارے میں صریح ہے کہ وہ موحدّ تھیں، اس لیے کہ انہوں نے (ان اشعار میں) دین ابراہیمی، اللہ صاحب جلال واکرام کی جانب سے ان کے بیٹے کی اسلام کے ساتھ بعثت اور بتوں کی پوجا سے ممانعت کا ذکر کیا ہے، لہٰذا وہ زید بن عمرو بن نفیل، قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل اور ان جیسے دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح ہوں گی، جو دین حنیفی کے حامل تھے۔

ان لوگوں کے دین حنیفی اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اہل کتاب اور کاہنوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے کا قریب آنا سن

۵۔ مسالک، ص ۱۹۔ اس نوع کی اکثر روایات ضعیف، بلکہ موضوع ہیں، حضرت آمنہ سے اس بارے میں کوئی بھی مستند روایت منقول نہیں ہے۔ رہا جنوں کا مرثیہ؟ تو اس کا سننا اور روایت کرنا دونوں ہی مشکوک ہیں۔ اس نوع کی روایات لوگوں کی طرف سے ان بزرگوں کے متعلق اظہار عقیدت کا مظہر ہیں، حالانکہ ان بزرگوں کا جو مقام ہے، وہ اس نوع کی روایات کا قطعاً محتاج نہیں ہے

رکھا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے تو باقی لوگوں سے زیادہ کچھ سنا تھا اور زمانہ حمل وولادت میں کھلی نشانیوں کی صورت میں وہ کچھ دیکھ رکھا تھا ' جس نے انہیں دین حنیفی کا قائل کردیا تھا۔ انہوں نے (وضع حمل کے وقت) اپنی ذات سے ایک ایسا نور نکلتا ہوا دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے (۶)۔ حتی کہ انہوں نے ان محلّات کو بالکل اسی طرح دیکھا تھا' جیسے کہ مائیں اپنے بچوں کو دیکھتی ہیں اور حضرت حلیمہؓ نے' جب وہ انہیں ان کے پاس لیکر آئی تھیں اور آپ کا شق صدر ہو گیا تھا' یہ کہا تھا آپؐ پر شیاطین کا کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے وہ تو آئندہ ہونے والے نبی ہیں" (۷)۔

احمد' البزّار' الطبرانی' الحاکم اور البیہقی نے حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبین تھا جبکہ ابھی آدم
اپنی مٹی میں گندے ہوئے تھے اور میں تمہیں بتاتا ہوں میں
ابراہیمؑ کی دعا' عیسیٰؑ کی بشارت اور میری ماں کا وہ خواب

۶۔ ابن سعد' ۱: ۸۴۔

۷۔ ابن ہشام' ۱/ ۱۶۳۔ ۱۶۴' مطبوعہ بیروت' طبع السقاء۔ یہاں ابن ہشام کی عبارت نقل کرنے میں قاضی صاحب سے تسامح ہوا ہے' قاضی صاحب نے اس قول کی نسبت حضرت حلیمہ سعدیہ کی طرف کی ہے' جبکہ ابن ہشام میں ان الفاظ کا قائل حضرت آمنہ کو قرار دیا گیا ہے' جنہوں نے یہ بات حلیمہ سعدیہ کو بتلائی تھی' عبارت یہ ہے: کلا واللہ ماللشیطین علیه من سبیل (۱/ ۱۶۵)' البتہ آخری جملہ "آپ نبی ہوں گے" وہاں موجود نہیں ہے۔

ہوں، جوانہوں نے دیکھا تھا"۔(۸)

(۲) مسلک دوم:

ان میں سے کچھ لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، ابن شاہین کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن الحسنین زیاد انصار کے مولی (آزاد کردہ غلام) نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ انہیں احمد بن یحیٰ الحضرمی نے مکہ میں بتایا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو بکر عزوبہ بن محمد بن یحیٰ الزہری نے بیان کیا، ان سے عبدالوہاب بن موسیٰ الزہری نے، ان سے عبدالرحمان بن ابی الزناد نے بیان کیا،

۸۔ اس واقعے کا تذکرہ تمام کتب حدیث میں ملتا ہے مثال کے طور پر حضرت اسحاق بن عبداللہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ نے فرمایا تھا:

لما ولدته خرج منی نور اضاء له، قصور الشام (ابن سعد، مطبوعہ لجنہ نشر الثقافة الاسلامیہ، ۱/۸۴)

جب میرے ماں باپ کی ولادت ہوئی، تو میرے جسم سے ایسی روشنی نکلی، جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔

اسی طرح حضرت ابوالجفاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

رأت امی حین وضعتنی سطع منها نور اضاءت له، قصور بصریٰ (ایضاً، ۱/۸۴)

میری والدہ نے میری پیدائش کے وقت ایک ایسا نور دیکھا جس سے بصریٰ (شام) کے محلات روشن ہوگئے۔

حضرت ابوامامہ الباھلی نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

رأت امی کانه خرج منها نور اضاءت منه قصور الشام (ایضاً، ۱/۸۴)

میری والد محترمہ نے دیکھا، گویا کہ ان سے ایسی روشنی نکلی ہے، جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔

ان سے ہشام بن عروہ نے، ان سے ان کے والد نے اور ان سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان کیا:

ان النبی صلی الله علیه وسلم نزل الی الحجون کئیباً حزیناً فاقام به ماشاء ربه عزو جلّ ثم رجع مسروراً فقلت یارسول الله نزلت بالحجون کئیبا حزینا فاقمت به ما شاء الله ثم رجعت مسروراً قال سألت ربی عزوجل فاحییٰ لی امی فامنت (۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجون میں بہت پریشانی اور غمگینی کی حالت میں اترے، پھر جتنی دیر اللہ نے چاہا آپؐ وہاں ٹھہرے رہے۔ بعد ازاں وہاں سے خوش و خرم واپس لوٹے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ الحجون میں بڑے غمزدہ اور پریشان ہو کر گئے تھے اور وہاں جتنی دیر اللہ نے چاہا آپؐ ٹھہرے، پھر آپؐ خوش و خرم ہو کر واپس آئے ہیں۔ فرمایا: میں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی، چنانچہ اس نے میرے لیے میری والدہ کو زندہ کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سابقہ حالت پر لوٹا دیا۔

۹۔ البیہقی '۱: ۸۰' باب ذکر مولد المصطفیٰ وآلا یات التی ظهرت عند ولادته وقبلها وبعد ها؛ احمد بن حنبل '۴/ ۱۲۷۔۱۲۸ (حدیث ۱۷۰۸۵ و ۱۷۰۸۶)؛ الحاکم 'مستدرک '۲/ ۶۰۰' وقال حدیث صحیح الاسناد' واقره الذهبی؛ الهیتمی: مجمع الزوائد '۸/ ۲۲۳.

حافظ محب اللہ بن احمد بن عبد اللہ المکی الطبری اپنی کتاب السیرۃ میں فرماتے ہیں:

"ہم سے ابوالحسن المعبر نے 'ان سے الحافظ ابوالفضل محمد بن علی بن عبد الرزاق ' الحافظ الزاہد نے 'ان سے العاصی ابوبکر محمد بن احصر نے 'ان سے ابو عزوبہ محمد بن یحییٰ الزہری ' نے ان سے عبدالوہاب بن موسیٰ الزہری نے ان سے عبدالرحمان بن ابی بردہ نے ان سے ہشام نے 'ان سے ان کے والد نے اور ان سے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے یہی روایت نقل کی "(۱۰)۔

اور الحافظ ابوبکر الخطیب اپنی کتاب السابق واللاحق میں فرماتے ہیں کہ ابو الفداء الواسطیؒ نے ان سے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہم سے الحسین بن علی بن محمد الحلبی نے بیان کیا ان سے ابوطالب عمر بن الربیع الزاہدی نے بیان کیا' ان سے علی بن ایوب الکعبی نے بیان کیا' ان سے محمد بن یحییٰ الزہری ابو عزبہ نے 'ان سے عبدالوہاب بن موسیٰ نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہم سے مالک بن انس نے ابوالزناد سے 'ان سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے 'ان سے ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بیان کیا' فرماتی ہیں:

حج بنارسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع فمر [قبرامه](۱۱) وهو باك حزين(۱۲)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ حجۃ الوداع کیا' پھر حجون میں اپنی والدہ کی قبر کے پاس

۱۰۔ دیکھیے السہیلی '۲/۱۸۵۔

۱۱۔ اصل میں "فمربی علی عقبه الحجون" ہے' جو کہ تسامح ہے' تصحیح از السہیلی..... یہی غلطی مسالک (ص ۲۷) میں بھی ہے۔

۱۲۔ مسالک 'ص ۲۷۔

سے گزرے، اس وقت آپ رو رہے تھے اور انتہائی غمگین تھے، پھر انہوں نے باقی کی روایت بیان کی.

فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

قدذ هبت بقبر امی فسألت الله ان يحيها فامنت بی وردها الله (۱۳)

میں اپنی والدہ کی قبر کے پاس گیا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہیں زندہ کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرما دیا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ نے انہیں واپس لوٹا دیا.

۱۳۔ یہاں قاضی صاحبؒ نے روایت کا درمیانہ حصہ حذف کر دیا ہے، السھیلی میں پورا قصہ یوں روایت کیا گیا ہے:

فبكيت لبكائه صلى الله عليه وسلم ثم انه نزل فقال ياحميراء استمسكی فاستندت الى جنب البعير فمكث عنى طويلا مليا ثم انه عاد الىّ وهوفرح متبسّم فقلت له بابی انت وامی يارسول الله نزلت من عندی وانت باك حزين مغتم فبكيت لبكائك ثم عدت الىّ وانت فرح مبستم فمم ذا يارسول الله (۱۸۲/۱).

تو میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی بنا پر رو دی۔ پھر آپ اپنے اونٹ سے اترے اور کہا اے حمیراء! ذرا ٹھہرو۔ اس پر میں نے اونٹ کے پہلو سے ٹیک لگا لی۔ آپؐ کچھ دیر مجھ سے غائب رہے، پھر تشریف لائے تو بہت خوش تھے اور مسکرا رہے تھے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، آپؐ جب میرے پاس سے اتر کر گئے تھے، تو اس وقت آپؐ رو رہے تھے، غمگین اور پریشان

اسے الدار قطنیؒ اور ابن عساکر نے غرائب مالک میں تخریج کیا ہے اور الدار قطنی نے کہا ہے کہ یہ (حدیث) باطل ہے' ابن عساکر نے اسے منکر قرار دیا ہے اور ابن الجوزیؒ نے اسے الموضوعات میں شامل کیا ہے' مگر اس کے " رجال" پر گفتگو نہیں کی[۱۴].

یہ حدیث دو طریقوں سے مروی ہے ایک طریقہ یہ ہے کہ عن مالک عن ابی الزناد عن ہشام اور عن عبدالرحمان بن زیاد عن ہشام.

[نامور محدث] السہیلیؒ اپنی کتاب الروض الانف میں لکھتے ہیں کہ:

"ایک حدیث روایت کی جاتی ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح ہو' میں نے اسے اپنے دادا ابو عمر [ان] احمد بن الحسن القاضی [رحمہ اللہ] کی ایسی سند سے لکھا ہوا پایا ہے جس میں کئی راوی مجہول ہیں' انہوں نے لکھا ہے کہ انہوں نے اسے ایسی کتاب سے نقل کیا ہے جو [معوذ][۱۵] بن داؤد بن [معوذ][۱۶] الزاہد کی لکھی ہوئی

تھے اور میں بھی آپ کو دیکھ کر رو دی تھی' جب آپ واپس آئے تو آپؐ خوش ہیں اور مسکرا رہے ہیں' یہ کیسے ہوا' یارسول اللہ (اگلا حصہ متن میں آرہا ہے).

۱۴۔ اس حدیث کے متعلق علامہ السیوطیؒ نے لکھا ہے کہ یہ باتفاق محدثین کمزور بلکہ موضوع ہے' لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے اور میں نے اس کی تفصیل پر مشتمل ایک مکمل جزو لکھا ہے (مسالک' ص ۲۷).

۱۵۔ اصل میں معقود ہے' تصحیح از السہیلی' ۲/۱۸۷.

۱۶۔ [اضافہ] از السہیلی' ۲/۱۸۷.

ہے، جسے وہ [عبد الرحمان بن](۱۷) ابی الزناد عن [ہشام بن] عروہ(۱۸) کے ذریعے ام المومنین حضرت عائشہؓ تک پہنچاتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ آپؐ کے والدین کو زندہ کردے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو زندہ کر دیا۔ پھر وہ آپ پر ایمان لائے پھر اللہ نے انہیں دوبارہ موت کا شکار کر دیا"(۱۹)۔

روایات کی سند کا محاکمہ:

اگر یہ کہا جائے کہ سند اول میں محمد بن زیاد ہے، جو کہ ایک نقاش (نقش و نگار بنانے والا) تھا اور ثقہ نہیں ہے اور احمد بن یحیٰ مجہول ہے اور تیسری سند میں ابو طالب عمر بن الربیع ہے، جسے الدار قطنیؒ نے ضعیف کہا ہے اور علی بن ایوب الکعبی میں جہالت ہے، پھر حدیث کا مدار ابو عزوبہ الصغیر محمد بن یحیٰ(۲۰) پر ہے۔

۱۷۔ تصحیح از السہیلی، ۱۸۷/۲۔

۱۸۔ اصل میں موجود نہیں ہے، تصحیح از السہیلی، (دیکھیے السہیلی: الروض الانف، مطبوعہ قاہرہ، ۱۸۷/۲)۔

۱۹۔ الروض الانف، ۱۸۷/۲۔

۲۰۔ اس کے متعلق الذہبی (لسان، ۴۲۲/۵) نے لکھا ہے:

محمد بن یحییٰ بن حمزه الحضرمی من اهل دمشق یروی عن ابیه وروی عنه اهل الشام، قال ابن حبان فی الثقات هو ثقه فی نفسه یتقی من حدیثه مارواه عنه احمد بن محمد بن یحییٰ واخوه فانهما کانا ید خلان علیه کل شئی

یعنی محمد بن یحیٰ الحضرمی اہل دمشق میں سے تھا، وہ اپنے والد سے روایت کرتا ہے اور اس سے اہل شام روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ فی نفسہ ثقات میں سے ہے، لیکن جو روایتیں اس سے احمد بن یحیٰ اور اس کا بھائی روایت کرتے ہیں، اس سے بچا جاتا ہے، اس لیے وہ دونوں اس کی روایات میں ہر شے ملا دیتے تھے۔

الدار قطنی فرماتے ہیں کہ وہ مجہول ہے اور عبد الوہاب بن موسیٰ کے بارے میں الذہبی کہتے ہیں کہ مجہول ہے، میں کہتا ہوں کہ جہاں تک تو احمد بن یحییٰ الحضرمی کا تعلق ہے، تو وہ مجہول نہیں ہے، الذہبیؒ نے ان کا تذکرہ المیزان میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے حرملۃ التجیبی اور ان کے بیٹے ابو سعید اور یونس سے روایت کی ہے" اور جس شخص کا ان الفاظ کے ساتھ "ترجمہ" لکھا جائے، اس کی حدیث قابل اعتبار ہوتی ہے۔

رہا محمد بن زیاد، تو اگرچہ وہ نقاش تھا، جیسے کہ ابن الجوزیؒ نے لکھا ہے، لیکن وہ قرأت اور تفسیر کا عالم تھا، الذہبی المیزان میں لکھتے ہیں:

ضعف کے باوجود وہ اپنے زمانے میں شیخ المقرئین ہو گئے تھے، ان کی ابو عمرو الدانیؒ نے بھی تعریف کی ہے اور ان کی منکرات کو روایت کیا ہے[۲۱]۔

رہے علی بن ایوب الکعبی [۲۲] تو وہ مجہول نہ تھے، الدار قطنیؒ نے ان کا تعارف لکھا ہے، جبکہ عمر بن الربیع پر اگرچہ بہت سے لوگوں نے جرح کی ہے، مگر کئی لوگوں نے انہیں ثقہ بھی قرار دیا ہے اور وہ کثیر الحدیث تھے، ان کا انتقال ۳۴۰ھ / ۹۵۳ء مصر میں ہوا، مسلمہ بن قاسم نے بھی یہی کہا ہے۔

پھر جب بعض لوگوں کی روایت ایک دوسرے سے مل کر تقویت حاصل کر لے، تو روایت کا ضعف جاتا رہتا ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ اس حدیث کا مدار ابو عزوبہ الصغیر پر ہے، شیخ الاسلام

۲۱۔ لسان المیزان، بذیل مادہ.

۲۲۔ اصل میں الکفنی ہے، جو کہ تسامح ہے.

ابوالفضل بن حجر اپنی کتاب لسان المیزان میں ابن الجوزی کا (مذکورہ) کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "کہ محمد بن یحییٰ مجہول نہ تھا' بلکہ وہ تو معروف ہے' ان کا حال ابوسعید بن یونس کی تاریخ مصر میں موجود ہے اور لکھا ہے:

محمد بن یحییٰ بن محمد بن عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمان بن عوف ابو عبداللہ' لقب ابو عزوبہ مدنی' مصر میں قدیم زمانے میں آئے' ان کی دو کنیتیں ہیں' ان سے اسحاق بن ابراہیم الکناس اور زکریا بن یحییٰ البغوی اور سہل بن سوارہ القافعی' محمد بن فیروز اور محمد بن عبداللہ بن حکیم نے روایت کی ہے (۲۳).

لیکن الدار قطنی نے لکھا ہے کہ:

یہ ابو عزوبہ الصغیر منکر الحدیث ہے اور محدثین لکھتے ہیں "کہ اگر ابو عزوبہ اس حدیث کی روایت میں منفرد نہ ہوتا' تو ہم اس حدیث کے "حسن" ہونے کا فیصلہ دیتے' لیکن یہ حدیث ضعیف ہے" رہا اس کا استاد (شیخ) عبدالوہاب بن موسیٰ تو الدار قطنیؒ نے اسے دو جگہ ثقہ قرار دیا ہے' مگر تیسرے مقام پر لکھا ہے کہ اس میں مضائقہ نہیں (لیس بہ باس) اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تائید کی ہے اور کسی قسم کی جرح نہیں کی.

رہے وہ راوی جو امام مالک اور ان سے اوپر ہیں تو ان کی جلالت و بزرگی کے باعث ان کے بارے میں پوچھا نہیں جاسکتا.

اس طرح "رواۃ حدیث" کے تذکرہ سے یہ معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے' جس پر "وضع حدیث" کا حکم لگایا جاسکے اور جن لوگوں

۲۳۔ اس روایت کے طرف کے لیے دیکھیے السیوطی' مسالک' ص ۲۰.

نے اسے موضوع قرار دیا ہے' انہوں نے کسی اور وجہ سے ایسا کہا ہے۔ القرطبی فرماتے ہیں کہ الحافظ ابوالخطاب عمر بن دحیہ نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے قبول ایمان والی حدیث موضوع ہے۔ اس لیے کہ اس کی قرآن اور اجماع سے تردید ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّار" (۲۴)

اور نہ (ان لوگوں کی توبہ قبول ہو گی) جو لوگ جو حالت کفر میں مر جائیں

نیز فرمایا:

فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِر" (۲۵)

پھر وہ مر جائے' اس حال میں کہ وہ کافر ہو.

لہذا جو شخص حالت کفر میں مر جائے' تو اس کے زندہ ہونے کے بعد اس کا ایمان لانا اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہو سکتا' بلکہ اگر وہ جان کنی کے وقت بھی ایمان لے آئے' تب بھی اس کا ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا' چہ جائیکہ وہ دوبارہ اٹھنے کے بعد ایمان لائے۔ القرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ابن دحیہ کا قول محل نظر ہے' اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب ان گنت ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا' تو انہیں ایمان لانے سے

۲۴۔ النساء (۴/۱۸).

۲۵۔ البقرہ (۲/۲۱۷).

کونسی بات مانع ہو سکتی ہے (۲۶) حالانکہ آپؐ کا مقام تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کوڈوبنے کے بعد لوٹایا۔ یہاں تک کہ آپ نے عصر کی نماز ادا کی، جیسا کہ امام الطحاوی نے لکھا ہے (۲۷) اور کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ سواگر سورج کا لوٹنا فائدہ مند نہ ہوتا اور اس سے گیا ہوا وقت دوبارہ حاصل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اسے واپس کیوں لوٹاتے؟۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ ہونے کا مسئلہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے باوجود عذاب میں مبتلا کرنے کے حضرت یونسؑ کی قوم کی توبہ قبول فرمائی، جیسا کہ وہ ایک قول اور ظاہر قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے:

اِلَّا قَوۡمَ یُوۡنُسَ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا کَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ مَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰی حِیۡنٍ (۲۸)

سوائے (حضرت) یونسؑ کی قوم کے (اس لیے کہ)، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیوی زندگی میں رسوائی والا عذاب ان سے دور کر دیا اور ہم نے انہیں ایک زمانے تک فائدہ دیا۔

امام السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ اصحاب کہف آخری زمانے میں زندہ کیے جائیں گے، حج کریں گے اور اس امت میں شمار کیے جائیں گے۔ یہ بات ان کے اعزاز واکرام کے لیے ہو گی۔

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اصحاب کہف حضرت مہدیؒ کے معاون ہوں گے۔ اس قول کو ابن مردویہ (۲۹) نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

۲۶۔ السیوطی: مسالک، ص ۲۶۔

۲۷۔ الدر المنثور، تفسیر سورہ ص۔

۲۸۔ یونس (۱۰/۹۸)۔

۲۹۔ پوری روایت اس طرح ہے: عن ابن مردویہ عن ابن عباس، قال رسول اللہ صلی

اس طرح اصحاب کہف کی موت کے بعد ان کی زندگی کا 'ان کے اعزاز و اکرام کی بنا پر اعتبار کیا جاتا ہے' تو اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی زندگی کا بھی اعتبار کیا جائے گا اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی ایک عمر لکھی تھی، لیکن ان کی مقررہ عمر کے پورا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی جان قبض کر لی گئی اور بعد ازاں انہیں ان کی رہی ہوئی عمر کا مختصر سا حصہ مکمل کرنے کے لیے دوبارہ زندہ کیا۔ جس میں وہ آپ پر ایمان لائے 'لہٰذا یہ ایمان قابل اعتبار ہو گا اور ایسا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کے لیے کیا گیا۔ اس طرح ان لوگوں کا قول راجح قرار پاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث "موضوع" نہیں ہے' حافظ شمس الدین بن ناصر الدین محدث دمشق نے 'جو متاخرین میں سے تھے نے اس حدیث کو اپنی کتاب مورد الصافی فی مولد الهادی (۳۰) میں الخطیب کے طریقے سے روایت کیا ہے اور اس کے بعد یہ شعر لکھا ہے:

حبا الله النبی مزید فضل على فضل و كان به رؤفا

الله علیه وسلم اصحاب الکهف اعوان المهدی.... (الدر المنثور '۵/۳۷۰)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب کہف حضرت امام مہدی کے مددگار ہوں گے۔

۳۰۔ کتاب المورد الصاوی فی مولد الهادی شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی (م ۸۴۲ھ/۱۴۳۸ء) کی تصنیف ہے (حاجی خلیفہ: کشف الظنون 'مطبوعہ استانبول' ۲/۱۹۰۱)۔ غالباً یہ کتاب علامہ السیوطیؒ کے زیر مطالعہ رہی ہے (مسالک 'ص ۲۸)۔ قاضی صاحب نے انہی کے حوالے سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

فاحیا امه و کذا اباہ لایمان به فضلا لطیفا (۳۱)

فسلم فالقدیر بذا قدیر و ان کان الحدیث به ضعیفا (۳۲)

(یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک اور فضل یہ کیا اور وہ آپ پر بے حد مہربان ہے کہ اس نے آپؐ کی والدہ اور والد کو آپؐ پر ایمان لانے کے لیے زندہ کیا' یہ بہت لطیف فضل ہے' لہذا اسے مان لیجئے۔ اس لیے کہ قدرت والا اس پر قادر ہے' گو اس بارے میں روایت کمزور ہے)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو "زندہ کرنے" کے بیان پر مشتمل حدیث ابو عزوبہ کی بنا پر ضعیف ہے' مگر منکر نہیں ہے' اس لیے کہ جن لوگوں نے اسے منکر کہا ہے' انہوں نے اس خیال سے اسے منکر کہا ہے [کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی والدہ کی قبر کی] زیارت والی حدیث میں ان کے لیے استغفار سے ممانعت مذکور ہے' جو کہ صحیح ہے' اس لیے کہ منکر حدیث وہ ہوتی ہے جو ایسی ضعیف حدیث ہو جو صحیح حدیث کی مخالف ہو۔

پھر جب آپ کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی' کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لیے جانے والی حدیث بھی ضعیف ہے تو یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو دوبارہ زندہ کرنے کے بیان پر مشتمل' حدیث منکر ہے' بلکہ یہ کہا جائے گا کہ زیارت والی حدیث منسوخ ہے اور [والدین کے] احیاء (زندہ کرنے کے ذکر پر مشتمل) حدیث ناسخ ہے' اس

۳۱۔ السیوطی (ص ۲۷) نے "ابوہ" لکھا ہے' جو تسامح ہے۔

۳۲۔ مسالک' ص ۲۸.

لیے کہ یہ حجۃ الوداع کا قصہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ استغفار سے آپؐ کو روکنے والا حکم منسوخ ہو گیا ہے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے لیے استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کیا، پھر وہ آپ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی، یہ دونوں جماعتوں کے اقوال کا خلاصہ ہے.

(۳) مسلک سوم:

بعض علمائے کرام کا مسلک یہ ہے کہ وہ دونوں توحید اور ملت حنیفیہ پر تھے اور کچھ علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجے میں زندہ کیا۔ پھر وہ آپؐ پر ایمان لائے اور پھر وہ فوت ہو گئے۔ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں اقوال کو جمع کرنا ممکن ہے اور یہی صورت میرے نزدیک پسندیدہ ہے اور اسی صورت میں ان کے زندہ ہونے میں فائدہ ہوگا۔

وہ اس طرح کہ اگرچہ آپؐ کے والدین دونوں توحید اور ملت حنیفیہ پر تھے، لیکن چونکہ یہ زمانہ انقطاع نبوت اور جاہلیت کا تھا، لہٰذا ان کا ایمان محض مجبوری کے عالم میں لایا ہوا ایمان تھا اور فقط عقیدۂ توحید پر مشتمل تھا اور ان کے پاس ان کے صاحبزادے خاتم المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کی خبر اہل کتاب اور کاہنون وغیرہ کے ذریعے پہنچی تھی، پھر ممکن ہے کہ وہ عالم برزخ میں، اپنی بعض کوتاہیوں کے باعث ابھی جنت میں داخلے سے محروم ہوں، پھر ابتداءً اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کی اجازت عطا نہیں کی [یہ حکم ایسے ہی ہے] جیسے کے ابتدائی زمانۂ اسلام میں ان لوگوں پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ تھی، جن پر قرض ہوتا تھا اور وہ اس کی ادائیگی کا سامان چھوڑ کر نہ جاتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کیا اور آپؐ کو ان کے

لیے استغفار کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی، چنانچہ آپؐ نے ان کے لیے استغفار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی بخشش فرمادی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجے کے طور پر فضائل حاصل کر لیے۔[مزید براں حق تعالیٰ نے] ان کی تعظیم کے لیے انہیں زندہ کر دیا اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری شریعت پر ایمان لے آئے اور انہوں نے ایمان کے مدارج اور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت کا شرف حال کر لیا، لہٰذا ان کی مثال اصحاب کہف جیسی ہے، کہ وہ اپنی پہلی زندگی میں اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لے آئے تھے، مگر پھر اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ وہ اس درمیانی اور بہترین امت میں سے ہونے کا اعزاز حاصل کر لیں اور باقی لوگوں پر گواہ بنیں.

یہ بات تمام احادیث کو جمع کرنے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ صحیح احادیث تصدیق کے لیے ضروری ہے اور ہم شروع حصے میں یہ ایسی احادیث نقل کر آئے ہیں، مثلاً یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا خیر کم نفسا و خیر کم اباً (۳۳) — "میں تم سب سے ذات اور والدین وغیرہ کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں"

یا اسی طرح کی دیگر احادیث۔

علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ:

"مجھ سے ابوالحسن یحییٰ بن الحسین اسماعیل العلوی نے یہ حدیث بیان کی، وہ

۳۳۔ مسالک، ص ۲۸.

کہتے ہیں کہ ہم سے ابو عبداللہ محمد بن علی بن الحسین الحسنی نے یہ حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے زید بن حاجب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عمار العطار نے، ان سے علی بن محمد بن موسیٰ نے، ان سے محمد بن ہارون العلوی نے، ان سے محمد بن علی بن علی بن حمزہ العباس نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میری والدہ نے بیان کیا، وہ کہتی ہیں کہ ہم سے علی بن موسیٰ بن جعفر نے بیان کیا ہے، کہ ہم سے میرے والد نے بیان کیا، انہوں نے جعفر بن محمد بن جعفر سے، انہوں نے اپنے والد علی بن الحسین سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت علیؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هبط جبريل علّى فقال ان الله يقرئك السلام، يقول انى حرّمت النار على صلب انزلك و بطن حملك وحجر كفلك(۳۴)

جبریل علیہ السلام مجھ پر اترے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے ان پشتوں پر جہنم کی آگ حرام کر دی ہے، جنہوں نے آپ کو اتارا ہے اور ان شکموں پر جنہوں نے آپ کو اٹھایا اور ان گودوں پر جنہوں نے آپ کی پرورش کی ہے۔

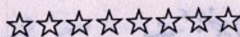
یہاں الصلب سے مراد تو جناب "عبد اللہ" ہیں اور "شکم" سے مراد بی بی آمنہ ہیں اور گود سے مراد ان کے چچا ابو طالب اور فاطمہ بنت اسد ہیں۔ ابن الجوزی

۳۴۔ مسالک الحنفاء، ص ۸۔

کہتے ہیں اس کی سند ویسی ہے جیسی تم دیکھ رہے ہو اور ابو الحسین العلوی ایک غالی رافضی ہے.

میں کہتا ہوں کہ [حضرت] فاطمہؓ بنت اسد [آنحضور صلی اللہ علیہ و سلم] پر ایمان لائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و سلم سے شرف صحابیت حاصل کیا اور ہجرت کی، رضی اللہ عنھا۔ رہے ابو طالب تو ان کے کفر میں کوئی شک نہیں، لیکن ابن سعد نے الطبقات میں لکھا ہے کہ ہم سے عفان بن مسلم بن (۳۵) حماد بن مسلمہ نے 'ان سے ثابت نے 'ان سے اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث نے بیان کیا' کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کیا آپ ابو طالب کے لیے رحمت کی امید رکھتے ہیں؟ فرمایا: میں اپنے رب تعالیٰ سے ہر ایک بھلائی کی امید رکھتا ہوں (۳۶)

واللہ واعلم



۳۵۔ یہاں سند نقل کرنے میں سہو ہوا ہے، قاضی صاحبؒ نے جو سند نقل کی ہے، وہ اس طرح ہے:

اخبرنا عفان بن مسلم بن حماد بن سلمہ عن ثابت

جبکہ طبقات ابن سعد میں ہے:

اخبرنا عفان بن مسلم اخبرنا حماد بن سلمہ عن ثابت

(ابن سعد، ۱/ ۱۲۴).

۳۶۔ ابن سعد: طبقات، ۱/ ۱۲۴.

اختتامیہ

فوائد

فائدہ[۱] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم جناب عبداللہ کے متعلق الحافظ صلاح الدین فرماتے ہیں کہ وہ صرف اٹھارہ برس کی عمر تک حیات رہے اور آپ کی والدہ تقریباً بیس سال کی عمر تک حیات رہیں، الواقدی کہتے ہیں کہ آپؐ کی والدہ قدسیہ نے ۲۵ برس کی عمر پائی۔ السیوطیؒ لکھتے ہیں کہ جناب عبداللہ اپنے سفر شام میں مدینہ منورہ کے قریب سے گزرے اور جب واپسی سفر میں مدینہ منورہ آئے تو وہ بیمار تھے۔ وہاں وہ تقریباً ایک ماہ بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ رہی آپؐ کی والدہ قدسیہ تو وہ مدینہ طیبہ اپنے عزیزوں سے ملنے آئیں اور وہاں ایک مہینہ قیام کیا، اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ہمراہ تھے۔ واپسی سفر میں راستے میں [مقام ابواء میں (۱)] میں وہ فوت ہو گئیں.

oo-----------oo

۱۔ السہیلی (۳؍۱۸۴۔۱۸۵) لکھتے ہیں کہ ابواء مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام ہے جو نسبۃً مدینہ منورہ کے زیادہ قریب ہے، ایسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ "بو" کی جمع ہے جو اونٹی کے بچے کی کھال کو کہتے ہیں جب تک وہ اس سے الگ نہ ہو جائے، صاحب المراصد کے مطابق ابواء فرع کے مضافات میں سے ایک تھا، جو کہ الربذہ کے نواحی علاقوں میں سے تھا اور الاسقیا کے بائیں طرف واقع تھا، مدینہ منورہ سے اس کی مسافت ۸ برد تھی اور الجحفہ سے جو مدینہ سے متصل مقام تھا، اس کا فاصلہ ۳۸ میل تھا (السہیلی، ۳؍۱۸۴۔۱۸۵، حاشیہ)، یہاں والدہ قدسیہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں، اخبارات کے مطابق جناب آمنہ کی قبر کا نشان، حکومت سعودیہ نے گزشتہ سال (۱۹۹۸ء) مسمار کر دیا ہے۔

فائدہ[۲]

ارشاد باری تعالیٰ...... کا مفہوم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ (۲) اور تجھے سجدہ کرنے والوں میں پلٹتے ہوئے دیکھتا ہے

ممکن ہے کہ اس آیت مبارکہ کو اس بات پر محمول کیا جائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد تمام کے تمام مومن اور سجدہ گزار تھے (۳) السیوطیؒ اور الحافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی نے (اسی لیے یہ قطعہ) لکھا ہے۔

قطعہ:

وینقل (۴) احمد نورا عظیما تلألا فی جباہ (۵) الساجدینا

تقلب فیھم قرناً فقرنا الی ان جاء خیر المرسلینا (۶)

۲۔ الشعراء (۲۱۹/۲۶).

۳۔ اس قول کو بعض مفسرین نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے' نامور علامہ السھیلیؒ کے محشی عبد الرحمان الوکیل لکھتے ہیں:

اما مانقله البزاز وابن ابی حاتم عن ابن عباس فھو کلام مفترى على حبر هذه الامة ابن عباس ولهذا لم يخرجه احد من رواة الحديث في صحيحه او مسنده اوسننه (۶۳/۱-۶۴)

حضرت عبد اللہ بن عباس کا جو قول البزاز اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے وہ اس امت کے "جر" ابن عباسؓ پر محض ایک بہتان ہے' اسی لیے حدیث کے (مشہور) راویوں میں سے کسی نے اسے نہ تو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے' نہ اپنی مسند میں نہ اپنی سنن میں۔

۴۔ مسالک میں "تنقل" ہے' جو گرائمر کی رو سے غلط ہے۔

۵۔ اصل میں "وجود" الساجدین ہے جو تسامح ہے۔

۶۔ السیوطی: مسالک' ص ۱۸؛ نیز دیکھیے الدر المنثور' ۳۲۱/۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت۔

السیوطیؒ نے یہاں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

[اور احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑے نور کی صورت میں منتقل ہوتے رہے، جو سجدہ گزاروں کی پیشانیوں میں ہمیشہ چمکتے رہے، آپ ان میں صدی بہ صدی منتقل ہوتے رہے، تا آنکہ آپ تمام انبیاء کے سردار بن کر دنیا میں تشریف لے آئے].

الصفدیؒ نے حضرت حلیمہؓ کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آمد اور آپ کی طرف سے ان کے اکرام پر یہ قطعہ لکھا ہے:

هذا جزاء الام عن ارضاعه لكن جزاء الله عنه عظيم

و كذالك ارجو ان يكون لامه عن ذاك آمنة يدونعيم

ويكون احياها الا لهٔ و آمنت بمحمد فحديثها معلوم

فلربما سعدت به ايضا كما سعدت به بعد الشقاء حليم (۷)

("یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں کے لیے اجر تھا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے اجر بہت زیادہ ہے"۔ اسی طرح مجھے امید ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ (بی بی) آمنہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت سی نعمتیں اور انعامات ہیں اور یہ بھی ہو چکا کہ اللہ تعالی نے انہیں زندہ کیا وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، جس کی حدیث معلوم ہے۔ شاید وہ بھی اسی طرح خوش قسمت ہو گئے، جیسے کہ حضرت حلیمہؓ شقاوت کے بعد خوش قسمت ہو گئیں).

عن مجاهد......قال من نبي الى نبي حتى اخرجت نبيا

عن ابي نعيم في الدلائل، عن ابن عباس قال مازال النبي صلى الله عليه وسلم يتقلب في اصلاب الانبياء حتى ولدته امه(۳۳۲/۵).

۷۔ مسالک، ص ۲۸.

فائدہ[۳]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں بدگوئی کا حکم

السہیلی اپنی کتاب الروض الانف میں مسلم وغیرہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کچھ کہیں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاہے کہ زندوں کو مردوں کے سبب تکلیف نہ دو اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ (۸)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے۔

اور ابو بکر بن العربی" سے، جو ایک مالکی امام ہیں، اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا، جو یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جہنمی ہیں "تو انہوں نے فتوی دیا کہ وہ ملعون ہے" اس لیے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ (۹)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے

اور اس سے بڑھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور کیا اذیت ہو گی کہ یہ کہا جائے کہ آپ کے والد جہنم میں ہیں۔

قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفا میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ (حضرت) عمر بن عبدالعزیز

۸۔ الاحزاب (۳۳/۵۸)۔

۹۔ ایضاً

کے کاتب نے، ان کے سامنے یہ کہہ دیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کافر تھے، تو انہوں نے اسے معزول کر دیا اور فرمایا: تم آئندہ کبھی بھی میری کوئی چیز مت لکھنا[۱۰]۔

یہ روایت ابونعیم کی کتاب الحلیہ اور الھروی کی ذم الکلام میں ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ بات سنی تو بہت سخت خفا ہوئے اور اسے تمام شعبوں سے موقوف کر دیا۔

فائدہ [۴] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کے بارے میں بدزبانی سے گریز کا حکم

المحب الطبری اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سبیعہ بنت ابی لہب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا یارسول اللہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اس خاتون کی اولاد ہیں جو جہنم کا ایندھن ہیں، یہ سن کر آپ انتہائی غصے کے عالم میں اٹھے اور فرمایا:

مابال اقوام یؤ ذوننی فی قرابتی من آذای قرابتی فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی الله[۱۱]

ان لوگوں کا کیا حال ہے جو مجھے میرے قریبی عزیزوں کے بارے میں ایذاء دیتے ہیں، جس نے میرے کسی قریبی عزیز کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔

۱۰۔ السھیلی: الروض الانف، ۱۸۶/۲۔

۱۱۔ مسالک، ص ۲۸-۲۹، بحوالہ الشفا۔

فائدہ[۵] ابو لہب کا انجام

صحیحین میں ہے کہ ابو لہب کو خواب میں دیکھا گیا، اس نے کہا: میں نے تمہارے بعد کوئی بھلائی نہیں دیکھی، سوائے اس کے کہ مجھے اس میں سے اپنی باندی ثویبہ آزاد کرنے کی مقدار میں یہاں کچھ مشروب پلایا گیا(۱۲).

السیوطیؒ کہتے ہیں کہ ثویبہ ابو لہب کی باندی تھی۔ ابو لہب نے اسے [آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں] آزاد کر دیا تھا، پھر اس نے آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا.

فائدہ[۶]

مروی ہے کہ جب آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی،

جب ابو لہب کو، آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت رکھنے اور آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی طرف سے ہر قسم کی شدید اذیت پہنچانے کے باوجود صرف اس لیے کہ اس نے آپ کی انا کو آزاد کر دیا تھا قیامت کے دن پانی پلایا جائے گا اور اس کا جسم اتنی ہی مقدار میں جہنم سے آزاد کر دیا جائے گا تو تمہارا اس خاتون کے متعلق کیا خیال ہے جس نے اپنے شکم اطہر میں آپ کو نو ماہ تک اٹھائے رکھا اور کئی سال تک آپ کی پرورش کی.

وہ رسالہ مکمل ہو گیا ہے، جسے میں نے امام السیوطی کے رسائل میں سے "تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے ضمن میں تلخیص کیا ہے، ربیع الاول ۱۱۹۱ھ.

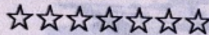
ابو الحسن زید الفاروقی مجددی (رسالے کا ناقل) کہتا ہے، جو اپنے رب کی رحمت

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۹.

کا امیدوار ہے، کہ میں نے قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی رضی اللہ عنہ کے اس رسالے:
تقدس آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسخے کی نقل بروز ہفتہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ
کو شملے (گرمائی مقام) کے رامندر ہاؤس کی دوسری منزل پر مکمل کی، وللہ الحمد.

(اس کا ترجمہ اور اس پر تحقیق کا کام ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ/ ۲۰ دسمبر ۱۹۹۹ء کو مکمل
ہوا ' فللہ الحمد...... محمود الحسن عارف)

وصلی اللہ علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ
اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین واجعلنا منھم بفضلك
یا ارحم الراحمین.





Early picture of Ka'aba

[تتمه ۱]

رسالـه

تقديس والدى المصطفى

صلى الله عليه واله وسلم

للعـالم النحـرير والعالم الكبير

قاضى **محمد ثناء الله** محدث الهندى الفانى فتى

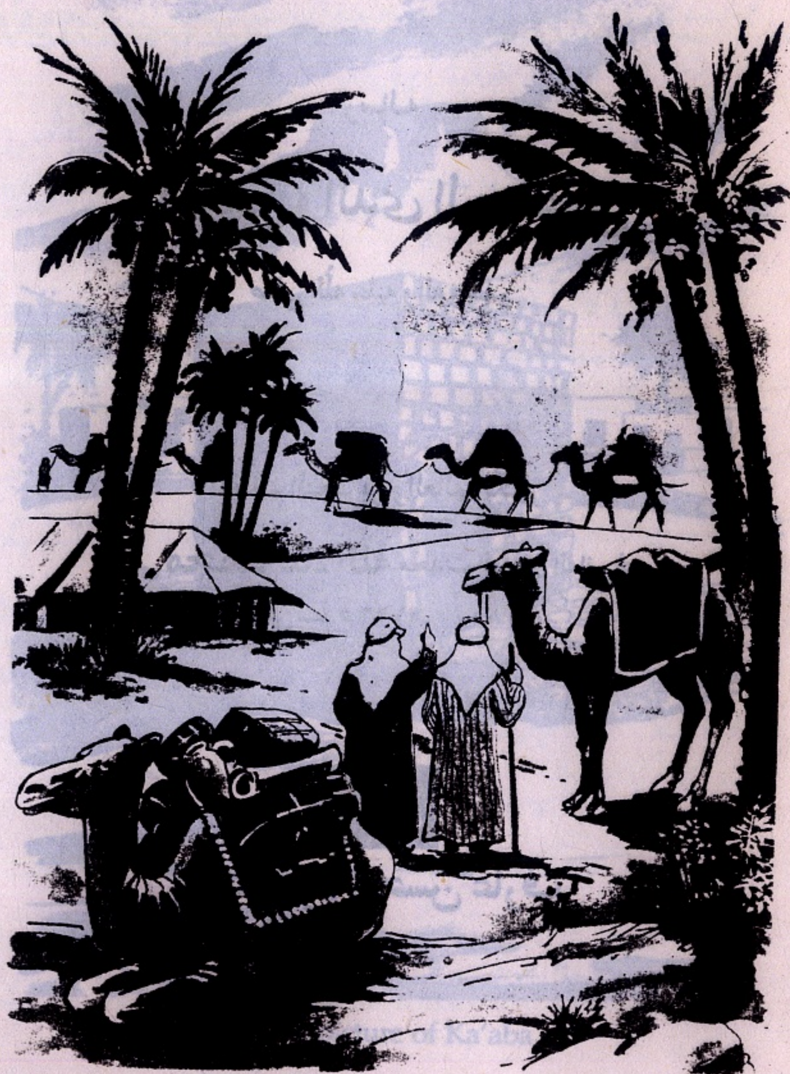
(المتوفى سنه ۱۲۲۵هـ / ۱۸۱۰ء)

تحقيق

د۔ محمود الحسن عارف

مـركز الادب الاسلامى

۱۷/۲ رحمان بارك غلشن راوى لاهور ۔ الباكستان.



A caravan of Arab merchants

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمه من المؤلف رحمه الله

الحمد لله الذى فضل محمدا على المرسلين وجعله خاتم النبيين ورحمة للعالمين وطهر ببركته أبائه الاقدمين والحق به بفضله اخلاقه الآخرين وأتم عليه نعمته فى الأولين والآخرين صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه ومن أحبه أجمعين شعر.

طوبى لنا معشر الاسلام إن لنا من العناية ركنا غير منهدم
لما دعى الله داعينا لطاعته باكرم الرسل كنا اكرم الأمم

وبعد فهذه رسالة فى اثبات ايمان آبائه صلى الله عليه وسلم.

فضائل نسب النبى صلى الله عليه وسلم

فاعلم أن العمدة فى الباب وما يوجب القطع عليه ما ورد فى الصحاح[1].

(١) منها "حديث أبى هريرة [رضى الله عنه] قال قال صلى الله عليه وسلم بعثت من خير قرون بنى آدم قرناً فقرناً حتى بعثت من القرن الذى كنت فيه". رواه البخارى[2].

(٢) ومنها حديث واثلة قوله صلى الله عليه وسلم "إن الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل واصطفى من ولد اسماعيل بنى كنانة واصطفى من بنى كنانة قريشا واصطفى من قريش بنى هاشم واصطفانى من بنى هاشم". رواه مسلم[3].

(٣) ومنها حديث أنس "أن النبى صلى الله عليه وسلم قال ما افترق الناس فرقتين إلا جعلنى الله فى خيرهما فاخرجت من بين أبوى

---

(١) جمع الصحيح والمراد به الكتب الصحاح السته، كما سيجىء.

(٢) البخارى، الجامع الصحيح، ٥٦٦/٦ (كتاب المناقب، باب ٢٣)، "صفة النبى صلى الله عليه وسلم" رقم الحديث ٣٥٥٧؛ أبونعيم، كتاب الحلية، ١٧٥/١، رقم الحديث ٤٤٤.

(٣) مسلم، الصحيح، ١٧٨٢/٤ (كتاب الفضائل باب (١) فضل النبى صلى الله عليه وسلم وتسليم الحجر عليه قبل النبوة)، رقم الحديث ٢٢٧٦ بلفظ "ان الله اصطفى كنانة من ولد اسماعيل ومن كنانة قريشا واصطفى من قريش بنى هاشم واصطفانى من بنى هاشم" واحمد بن حنبل، مسند، ٢٣٤/٣، رقم الحديث ١٦٢٣، ١٦٢٤، بلفظ "إن الله اصطفى كنانة من بنى اسماعيل واصطفى من بنى كنانة قريشا واصطفى من قريش بنى هاشم واصطفانى من بنى هاشم".

ولم يصبنى شىء فى عهد الجاهلية خرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم حتى انتهيت إلى أبى وأمى فانا خيركم نفسا وخيركم أبا". رواه البيهقى فى دلائل النبوة(٤).

(٤) ومنها حديث ابن عباس رضى الله عنهما "قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "لم يلتف ابواى على سفاح قط لم يزل الله ينقلنى من الاصلاب الطيبة إلى الارحام الطاهرة مصفًّى مهذبًا لا يشعب شعبتان إلا كنت فى خيرهما".رواه أبونعيم فى دلائل النبوة(٥).

(٥) ومنها حديث ابن عباس رضى الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "خير العرب مضر وخير مضر بنو عبد مناف وخير بنى عبدمناف بنو هاشم وخير بنى هاشم بنو عبدالمطلب والله ما افترق فرقتان منذ خلق الله آدم إلا كنت فى خيرهما". رواه ابن سعد(٦).

(٦) ومنها حديث عائشة[رضى الله عنها] قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "قال لى جبريل قلبت الأرض مشارقها ومغاربها فلم أجد رجلا افضل من محمد ولم أجد بنى أب افضل من بنى هاشم".رواه البيهقى فى الدلائل والطبرانى(٧).

قال الحافظ ابن حجر فى اماليه بعد أن أورد هذا الحديث "لوائح الصحة ظاهرة على صفحات هذا المتن(٨)".

قال السيوطى الأحاديث فى هذا المعنى كثيرة قد أوردتها فى أول

---

(٤) البيهقى، دلائل النبوة، ١٧٦/١، رقم الحديث ٤٤٨: الهيثمى، مجمع الزوائد، ٢٠٧/٨ وعزاه الى الطبرانى فى الاوسط وقال فيه "موسى بن عبيد الربدى وهو ضعيف".

(٥) أحمد بن حنبل، المسند (بالمعنى)، ٢١١/٥ وابن ماجه، السنن (كتاب الحدود، ٨٧١/٢). بلفظ : "نحن بنو النضر بن كنانة لا ننتقى (نقذف) من ابينا وتعفوا امنا" والبيهقى، دلائل النبوة، ١٧٣/١.

(٦) ابن سعد، الطبقات.

(٧) البيهقى، دلائل النبوة، ٧٣/١.

(٨) السيوطى، مسالك الحنفاء، ص ٩.

كتاب المعجزات ولا شك أن اطلاق الافضل والخير والاصطفاء والطَّاهر لا يجوز على الكفار(٩).

قال الله تعالى ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾(١٠).

وقال الله تعالى ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَّابِّ عِنْدَ اللهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لاَ يُؤْمِنُوْنَ﴾(١١).

فهذه الاحاديث الصحاح يحكم بالقطع أن أباء النبى صلى الله عليه وسلم من لّدن آدم إلى عبدالله بن عبدالمطلب كلهم كانوا مومنين وما يدل على خلاف ذلك يجب رده، ان كان ضعيفاً ويجب تأويله، إن كان صحيحاً وما يدل على وفاق ذلك يعتقد بتلك الاحاديث الصحاح فان كان ضعيفاً يرتقى إلى درجة الحسن(١٢).

فان قيل النبوة بعد ابراهيم واسماعيل واسحاق ويعقوب كانت فى بنى اسرائيل ولا شك أن الانبياء افضل من جميع الناس والملائكة ايضا فما معنى قوله صلى الله عليه وسلم "ما افترق الناس فرقتين إلا جعلنى الله فى خيرهما"(١٣) وقوله صلى الله عليه وسلم "بعثت من خير قرون بنى آدم قرنا فقرنا"(١٤).

قلت معناه أنه افترق آل ابراهيم إلى اسماعيل و اسحاق والله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل فهو خير من اسحاق ولا محذور فقد جعل الله نبينا صلى الله عليه وسلم فى خيرهما [فى] يعنى ولد اسماعيل ثم إذا افترق آل اسماعيل فرقتين جعل الله نبينا صلى الله عليه وسلم فى خيرهما وهذا لا يدل على أن آبائه صلى الله عليه وسلم كانوا خيرا من

---

(٩) مسالك للسيوطى، ص ٩.

(١٠) القرآن الكريم، التوبة (٩/٢٨).

(١١) الانفال (٨/٥٥).

(١٢) زيادة من المؤلف رحمه الله، لا يوجد فى مسالك للسيوطى.

(١٣) المسند لاحمد بن حنبل، ٩/١٩٦، رقم الحديث ٩٣٦٠.

(١٤) نفس المرجع، ٩/٢٥، رقم الحديث: ٨٨٤٣ (وقال اسناده حسن).

انبياء بني اسرائيل بل كان كل واحد من آبائه خيرا من شقيقه.

ويدل هذا على ايمانه فان الكافر لا يكون خيرا من غيره بل اما أن يكون شرا من غيره أو مثل غيره في الشر ولا يكون شرالدواب خير قط.



هل كان آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنا

هذا ما ذكر فى ايمان آباء النبى صلى الله عليه وسلم على وجه الاجمال وتفصيله أنهم من آدمؑ إلى نوحؑ كلهم كانوا مؤمنين لانه.

(۷) "أخرج البزاز فى مسنده وابن جرير وابن ابى حاتم وابن المنذر فى تفاسيرهم والحاكم فى المستدرك وصححه عن ابن عباس فى قوله تعالى ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾[1] قال "كان بين آدم ونوح عشرة قرون كلهم على شريعة من الحق فاختلفوا فبعث الله النبيين" وأخرج ابن ابى حاتم عن قتادة فى الاية قال ذكر لنا "أن بين آدم ونوح عشرة قرون كلهم علماء يهتدى من الحق ثم اختلفوا بعد ذلك فبعث الله نوحا و كان أول رسول أرسله الله إلى اهل الارض" [انتهى][2].

واذا اختلف الناس كان ابوى نوح مؤمنين لما فى التنزيل حكاية من نوح﴿رَبِّ اغْفِرْلِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِىْ مُؤْمِنًا﴾[3] ثم سام وحام ويافث ابناء نوح كانوا مؤمنين بنص القرآن والاجماع بجوامع ابيهم فى السفينة ولم ينج إلا مؤمن وقال الله تعالى ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَه هُمُ الْبَاقِيْنَ﴾[4] بل ورد فى الأثر:

---

(۱) القرآن الكريم، البقرة (۲/۲۰۳).

(۲) التفسير المظهرى، للقاضى محمد ثناء الله، ۱/۲۵۲ (تحت تفسير البقرة، آية ۲۰۳) وليس فيه "فبعث الله النبيين" بعد "فاختلفوا" وانظر مسالك الحنفاء للسيوطى، ص ۱۰ وعزاه إلى البزاز، وابن جرير وابن المنذر وابن ابى حاتم.

(۳) القرآن الكريم، نوح (۷۱/۲۸).

(٤) الصافات، ۳۷/۷۷.

(۸) "أن سام كان نبيا" (٥).

وولده ارفخشد نص على ايمانه عن ابن عباس رضى الله عنهما

(۹) أخرجه ابن عبدالحكم(٦) فى تاريخ مصر وفيه "أنه أدرك جده نوحا ودعا له بأن يجعل الله النبوة والملوك فى ولده" ثم ابنه شامخ إلى تارخ نص على اسلامهم فى أثر أخرجه ابن سعد فى الطبقات من طريق الكلبى وتارخ كان أبا لابراهيم(٧)" فأما آذر فالارجح' كما قال الرازى' أنه عم ابراهيم لا ابوه وقد سبقه إلى ذلك جماعة من السلف.

(۱۰) قال السيوطى روينا بالاسانيد عن ابن عباس ومجاهد وابن جرير والسرى قال "ليس آذر أبا لابراهيم إنما هو ابراهيم بن تارخ".

(۱۱) وقال السيوطى وقفت على أثر من تفسير ابن المنذر صرح فيه بإنه عمه"(٨).

فثبت أنهم من آدم إلى ابراهيم كلهم كانوا مؤمنين منصوص على ايمانهم متفق عليهم لاخلاف إلا فى آذر والارجح أنه كان عمّهويؤيدهُ مامر من الاحاديث المجملة.

ثم بعد ابراهيم واسماعيل فقد اتفقت الاحاديث الصحيحة ونصوص العلماء أن العرب من بعد ابراهيم كانوا على دينه لم يكفر منهم أحد قط ولم يعبد صنما إلى عهد عمرو بن عامر الخزاعى فانه أول من غيَّر دين ابراهيم وعبد الاصنام وسيّب السوائب.

(۱۲) أخرج البخارى ومسلم عن ابى هريرة رضى الله عنه قال:

---

(٥) مسالك' ص ١٠ ......

(٦) كذا ذكره السيوطى' فى مسالك' ص ١٠' وهو صحيح ...... وفى المتن عبدالحكيم وهو تصحيف.

(٧) قال ابن سعد فى طبقاته' تحت العنوان: ذكر تسمية الانبياء ونسائهم صلى الله عليه وسلم' قال اخبرنا هشام بن محمد بن السائب الكلبى عن ابيه قال "اول نبى بعث ادريس' ثم نوح بن عك' ثم ابراهيم بن تارح بن ناحور" (١/ ٥٤).

(٨) انظر الدر المنثور للسيوطى' ٣/ ٣٠٠ (مطبعه دارالفكر' بيروت ١٤١٤هـ/ ١٩٩٣ء).

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "رأيت عمرو بن عامر الخزاعى يجر قصبه فى النار وكان أول من سيّب السوائب[٩]".

(١٣) وأخرج ابن جرير فى تفسيره عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "رأيت عمرو بن لحى بن قمعة بن خندف يجر قصبه فى النار أنه أول من غيَّر دين ابراهيم[١٠]".

(١٤) وأخرج أحمد فى مسنده عن ابن مسعود رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال "أول من سيَّب السوائب وعبد الاصنام ابو خزاعة عمرو بن عامر وإنى رأيت قصبته فى النار".

قال الحافظ عماد الدين بن كثير "كان العرب على دين ابراهيم إلى أن ولى عمرو بن عامر الخزاعى مكة وانتزع ولاية البيت من آباء النبى صلى الله عليه وسلم فأحدث عمرو المذكور عبادة الاصنام وشرع العرب الضلالات وزادوا فى التلبية بعد قوله "لا شريك له قوله إلا شريكا هو لك تملكه"[١١]. وتبعه العرب على الشرك لكن على دين ابراهيم بقى بعض الناس منهم اجداد النبى صلى الله عليه وسلم لانه'

(١٥) أخرج ابن حبيب فى التاريخ عن ابن عباس قال "كان عدنان ومعد وربيعة ومضر وخزيمة واسد على ملة ابراهيم"

(١٦) وأخرج ابن سعد فى الطبقات من مرسل عبدالله بن خالد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "لا تسبوا مضر فإنه كان قد اسلم[١٢]".

(١٧) وفى الروض للسهيلى يذكر عن النبى صلى الله عليه وسلم

---

(٩) مسلم، ٢١٩١/٤ 'كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها' باب ١٣' (النار يدخلها الجبارون) رقم الحديث (٢٨٥٦) ٥٠. بلفظ ...... "رأيت عمرو بن لحى بن قمعة بن خندف ابا بنى كعب هؤلاء يجر قصبه فى النار" ...... وكذا فى البخارى، رقم الحديث ١٧٥٧.

(١٠) السيوطى، الدر المنثور، ٢١٠/٣؛ مسند احمد بن حنبل، ٤٢٢/٧ و٤٢٣.

(١١) مسالك، ص ١٢، وعزاه إلى البداية والنهاية لابن كثير.

(١٢) الطبقات لابن سعد، ٢٤/١.

أنه قال "لا تسبوا الياس فإنه كان مؤمنا[13]".

(١٨) وذكر "أنه كان يسمع فى صلبه تلبية النبى صلى الله عليه وسلم بالحج".

(١٩) وفيه ايضا "أن كعب بن لوئ أول من جمع يوم التروية فكان قريش يجتمع إليه فيخطبهم بمبعث النبى صلى الله عليه وسلم ويعلمهم أنه ولده ويأمر باتباعه والايمان ويذكرهم فى هذا ابياتا، منها قوله شعر:

ياليتنى شاهدا فحواء[14] دعوته إذا قريش يبتغى الحق خذلانا"

قال السهيلى وقد ذكر الماوردى هذا الخبر عن كعب فى كتاب الاعلام له[15].

(٢٠) قال السيوطى وأخرجه أبونعيم فى دلائل النبوة بسنده عن ابى سلمة بن عبدالرحمن ابن عوف وفى آخره "وكان بين موت كعب ومبعث النبى صلى الله عليه وسلم خمسائة سنة وستون سنة[16]".

فثبت أن أجداد النبى صلى الله عليه وسلم من ابراهيم إلى كعب والى ابنه مرة منصوص على ايمانهم. بقى بين مرة وبين عبدالمطلب أربعة أباء: كلاب وقصى وعبد مناف وهاشم. قال السيوطى "لم أظفر فيهم بخصوصهم بنقل" قلت[17] فيكفى فى ايمانهم ما مر من المجمل إذا لم ينقل دليل بخلافه[18].

إيمان عبدالمطلب

أما عبدالمطلب ففيه خلاف بين الناس والأظهر ان نور النبى صلى الله عليه وسلم لما ظهر فيه فببركة ذلك النور قال لا برهة ان لهذا

---

(١٣) السهيلى، الروض الانف، ١/ ٦١.

(١٤) فى الاصل "تجواء" وهو تصحيف، والتصحيح من السيوطى.

(١٥) السهيلى، ١/ ٧١.

(١٦) مسالك للسيوطى، ص ١٥، وعزاه إلى كتاب الحليه لابى نعيم.

(١٧) يعنى مؤلف هذه الرسالة، القاضى محمد ثناء الله الفانى فتى، ......

(١٨) كذا قاله السيوطى رحمة الله فى الرسالة، ص ١٥.

البيت ربا يحفظه[19] وقال وقد صعد ابا قبيس قطعة:

لاهم ان المرء يمنع رحله[20] فامنع رحالك[21]
لا يغلبن صليبهم ومحالهم[22] غدأ محالك[23] فانصرعلى آل الصليب
وعابديه اليوم آلك[24]

وببركة ذلك النوركان يأمر ولده بترك الظلم والبغي ويحثهم على مكارم الاخلاق وينهاهم عن دنيات الامور وكان يقول فى وصاياه انه لن يخرج ظلوم من الدنيا حتى ينتقم منه وتصيبه عقوبة إلى أن هلك رجل ظلوم لم تصبه عقوبة، فقيل لعبدالمطلب فى ذلك ففكر وقال "والله ان وراء هذه الدار دار يجزى فيها المحسن باحسانه والمسيئ باسائته"[25]

فالحاصل أنه لم يرو عن عبدالمطلب شئ يدل على كفره ويكفى فى ايمانه التوحيد بالله لانه كان فى زمن الفترة.

(۲۱) ذكر ابن سعد فى الطبقات باسانيده أن عبدالمطلب قال لأم ايمن وكانت تحتضن رسول الله صلى الله عليه وسلم "يا بركة لا تغفلى عن ابنى فانى وجدته مع غلمان قريبا من السدرة وان اهل الكتاب

---

(۱۹) الطبقات لابن سعد، ۷۲/۱ (القاهرة ۱۳۵۷ھ).

(۲۰) وفى الاصل "رحاله" وهو تصحيف، والتصحيح، من ابن سعد، ۷۳/۱.

(۲۱) وفى ابن سعد حلالك ۷۳/۱، وفى حواشى ابن سعد "وفى بعض النسخ لابن سعد رحالك".

(۲۲) وفى الاصل "عيالهم" وهو تصحيف، والتصحيح من ابن سعد، ۷۲/۱.

(۲۳) وفى الاصل "ابدا عيالك" وهو تصحيف. والتصحيح من ابن سعد، ۱۷۳/۱.

(۲۴) والمصرعة الاخيرة ليس فى ابن سعد، وفيه

ان كنت تاركهم وقبلتنا
فامر ما بدا لك

(۱۷۲/۱).

(۲۵) مسالك الحنفاء، ص۱٦.

يقولون ان ابنى هذا صاحب هذه الامة"(٢٦).

فظهر أنه كان على التوحيد والملة الحنيفية وانتظار مبعث النبى صلى الله عليه وسلم وكل من كان هذا شأنه فى تلك الزمان فهو من مثل ورقة بن نوفل(٢٧) وزيد بن عمرو(٢٨) وقس بن ساعدة(٢٩) واوس بن

---

(٢٦) طبقات لابن سعد، ١/٥٢ ... قال ابن سعد فى طبقاته:

"اخبرنا محمد بن عمر واقد الاسلمى قال وحدثنى محمد بن عبدالله عن الزهرى قال وحدثنا عبدالله بن جعفر عن الواحد بن حمزه بن عبدالله قال وحدثنا هاشم بن عاصم الاسلمى، عن المنذر بن جهم قال وحدثنا عن ابى نجيح عن مجاهد وقال وحدثنا عبدالرحمن بن عبدالعزيز عن ابى الحويرث قال وحدثنا ابن ابى سبرة عن سليمان بن سحيم عن نافع بن جبير دخل حديث نعيم فى حديث بعض قالوا قال قوم من بنى مدلج لعبدالمطلب احتفظ به فانه لم نر قدما اشبه بالقدم التى فى المقام منه فقال عبدالمطلب لابى طالب اسمع ما يقول هولاء فكان ابو طالب يحتفظ به وقال عبدالمطلب لام ايمن وكانت تحصن رسول الله صلى الله عليه وسلم يا بركة لا تغفلى عن ابنى هذا فانى وجدته مع غلمان قريبا من السدرة وان اهل الكتاب يزعمون ان ابنى هذا نبى هذه الامة(١/٥٢).

(٢٧) ورقه بن نوفل بن اسد بن عبدالعزى بن قصى القرشى الاسدى ابن عم خديجة زوج النبى صلى الله عليه وسلم ذكره الطبرى والبغوى، وابن قانع وابن السكن وغيرهم فى الصحابة واوردوا كلهم ... عن ابن عباس رضى الله عنهما عن ورقه بن نوفل قال قلت يا محمد "كيف ياتيك الذى ياتيك قال ياتينى من السماء جناحاه لؤلؤ وباطن قدميه اخضر" ولكن فيه نظر لابن ابن عباس لم يسمع من ورقه.. كما قاله ابن عساكر... وقال ايضا لا اعرف احدا انه قال اسلم...وفى الصحيح للبخارى. عن عائشه ام المؤمنين رضى الله عنها. "اول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم ..." الحديث فى مجئ جبريل بحراء، وفيه فانطلقت به خديجه الى ورقة بن نوفل بن اسد... ابن عم خديجة وكان تنصّر فى الجاهلية الحديث وفيه فقال ورقة "هذا الناموس الذى نزل الله على موسٰى ياليتى فيها جذعا ليتنى اكون حيًا حين يخرجك قومك" وفى آخره "ولم ينشب ورقة ان توفى... فهذا ظاهره انه اقر بنبوته ولكنه ......

........مات قبل ان یدعو رسول اللّٰه علیه وسلم الناس الی الاسلام، فیکون مثل بحیرا وفی اثبات الصحبة له نظر (ابن حجر العسقلانی، الاصابة، ۳/۶۳۴)

(۲۸) قال ابن حجر فی الاصابه فی معرفة الصحابة: "زید بن عمرو بن نفیل العدوی، والد سعید بن زید...احد العشرة وابن عم عمر بن الخطاب ذکره البغوی وابن منده وغیرهما فی الصحابه، وفیه نظر، لانه مات قبل البعثة بخمس سنین، ولکن یحییٔ علی احد الاحتمالین فی تعریف الصحابی، وهو انه من رای النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مومنا به، هل یشترط فی کونه مومنا به ان تقع رویته له بعد البعثة فیؤمن به حین یراه وبعد ذالك أو یکفی کونه مومنا به انه سیبعث کما فی قصة هذا وغیره.

"وقد روی ابن اسحاق فی الکتاب الکبیر عن هشام بن عروة انه حدثه عن ابیه عن اسماء بنت ابی بکر قالت لقد رأیت زید بن عمرو بن نفیل مسندا ظهره إلی الکعبه یقول "یا معشر قریش والذی نفسی بیده ما اصبح منکم علی دین ابراهیم غیری" واخرجه من طریق هشام البخاری من طریق اللیث تعلیقا... والبغوی من طریق علی بن مسهر کلهم عن هشام وزادوا فیه "وکان یحیی الموؤدة یقول للرجل إذا راد ان یقتل ابنته لا تقتلها فانا اکفیك مؤنتها" وزاد ابن اسحاق وکان یقول "اللّٰهم انی لو اعلم احب الوجوه الیك عبدتك به ولکنی لا اعلم حتی یسجد علی راحته (الاصابه، ۱/۵۶۹)

(۲۹) قس بن ساعده بن جذامه بن زفر بن ایاد بن نزار الایادی البلیغ الخطیب المشهور... وذکره ابوعلی بن السکن وابن شاهین وعبدان المروزی وابو موسی فی الصحابه وصرح ابن السکن بانه مات قیل البعثه وذکر ابوحاتم السجستانی فی المعمرین ونسبه کما ذکرت وقال انه عاش ثلاثمائة وثمانین سنة وقد سمع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم حکمته وهو اول من أمن بالبعث من اهل الجاهلیه وال من توکا علی عصا فی الخطبة واول من قال "اما بعد" واول من کتب من فلان "الی فلان"... قال الاعشی فی قصیدته له

واعلم من قس وامضی کما مضی   من الرمح ان مس النفوس نکالها

وقال المرزبانی ذکر کثیر من اهل العلم انه عاش ستمائة سنة وکان خطیبا حکیما عاقلا له نباهنه وفضل ... (الاصابه، ۳/۲۷۹).

حارثة[۳۰]

(۲۲) أخرج البزار والحاكم فى المستدرك وصححه عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "لا تسبوا ورقة فانى رأيت له جنة أو جنتين"[۳۱].

(۲۳) وأخرج البزار عن جابر قال "سالنا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن زيد بن عمرو بن نفيل فقلنا يارسول الله كان يقبل [كذا؟ يستقبل] القبلة ويقول دينى دين ابراهيم قال ذلك امة واحدة يحشر بينى وبين يدى عيسى بن مريم"[۳۲] وسألناه عن ورقة بن نوفل "فقيل يارسول الله كان يستقبل القبلة ويقول اللّهم [كذا؟ الٰهى] اله زيد ودينى دين زيد قال رأيته يمشى فى بطن جنة عليه حلة من سندس"[۳۳].

(۲٤) وأخرج ابونعيم فى الدلائل عن ابن عباس "أن قس ابن ساعدة كان يخطب قومه فى سوق عكاظ فقال فى خطبته "سيعمكم حق من هذا الوجه" وأشاره بيده نحو مكة قالوا له وما ملاء الحق قال "رجلا من ولد لؤى بن غالب يدعوكم إلى كلمة الاخلاص وعيش الابد ونعيم لا ينفد فان دعاكم فأجيبوه ولو علمت أن أعيش مبعثه لكنت أول من يتبعهم إليه"[۳٤].

---

(۳۰) اوس بن حارثه بن لام بن عمرو بن ثمامه بن عمرو بن طريف الطائى ... ذكره ابن مانع، وذكره المرزبانى فى معجم الشعراء، وقال انه شاعر جاهلى وذكر ابن الكلبى ابن هانى بن قبيصه بن اوس بن حارثه بن لام كان نصرا نيأ وكان تحته بنت عم له نصرانية فاسلمت ففرق عمر بن الخطاب بينهما فلو كان اوس بن حارثه اسلم لم يقر حفيدة هانى بن قبيصه على النصرانية، وذكر ابو حاتم السجستانى فى المعمرين قال عاش اوس بن حارثه بن لام مائتين وعشرين سنة حتى هرم وذهب سمعه وعقله وكان سيد قومه ورئيسهم...قال ابن حجر، لم يدرك الاسلام (الاصابه: ۱/ ۱۳٤).

(۳۱) انظر الاصابه، لابن حجر، ۳/ ٦۳٤.

(۳۲) نفس المرجع، ۱/ ٥٦۹.

(۳۳) نفس المراجع.

(۳٤) الاصابه، ۳/ ۲٦۹.

(۲۵) واخرج الطبرانی فی الکبیر بسند رجاله ثقات عن غالب بن ابجر قال "نعم انه کان علی دین ابینا اسماعیل بن ابراهیم"(۳۵).

(۲٦) واخرج ابن عساکر فی تاریخه عن جامع بن حران "أن الاوس بن حارثة کان یذکر دعوة الحق وبعث [کذا؟ مبعث]النبی صلی الله علیه وسلم واوصی بذلك ولده مالکا عند موته"(۳٦).

فثبت ایمان عبدالمطلب کما ثبت ایمان هولاء.

(۲۷) وحکی ابن سید الناس فی السیرة وغیره "ان الله تعالی احیی عبدالمطلب علی ید النبی صلی الله علیه وسلم حتی آمن بالنبی صلی الله علیه وسلم"(۳۷) لکن لم یرد [کذا؟ یرو] ائمة هذه الخبر أحد من السنة ولم یرو فیه حدیث ضعیف ولا غیره.



(۳۵) نفس المراجع.

(۳٦) نفس المراجع.

(۳۷) مسالك الحنفاء، ص ۱۵ وقال فیه "واما عبدالمطلب ففیه ثلاثة اقوال احدهما وهو الاشیه انه لم تبلغه الدعوة لاجل الحدیث الذی فی البخاری وغیره والثانی انه کان علی التوحید وملة ابراهیم هو ظاهر عموم کلام الامام فخر الدین ...... والثالث ان الله احیاه بعد بعثته النبی صلی الله علیه وسلم حتی أمن به واسلم ثم مات، حکاه ابن سید الناس وهذا اضعف الاقوال واسقطها واوهاها لانه لا دلیل علیه ولم یرد قط فی حدیث "ضعیف ولا غیره"...... ۱۲.

اثبات ایمان والدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بقی الکلام فی ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن عبدالمطلب وآمنة بنت وهب ولولا من الاحادیث ما یدل علی خلاف ما ادعینا ما احتجنا إلی البسط فی هذه المقال فلنذکر اولا ما یدل علی خلاف ما ادعینا ولنقصد بالجواب عنها والتاویل ثم لنذکر ما یفید المطلوب وباللہ التوفیق.

اما ما یدل علی خلاف ما ادعینا فمنها

(۲۸) ما رواه الحاکم من طریق ایوب ابن هانی عن مسروق عن ابن مسعود قال "خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فی المقابر وخرجنا معه فامرنا فجلسنا ثم تخطی القبور حتی انتهٰی الی قبر منها فناجاه طویلا ثم ارتفع بجنبه باکیا فبکینا لبکائه ثم اقبل الینا فتلقاه عمر فقال یارسول اللہ ما الذی ابکاك فقد ابکاناها وافزعنا فجاء وجلس الینا فقال افزعکم بکائی؟ قلنا نعم قال ان القبر الذی رأیتمونی أناجی فیه قبر آمنة بنت وهب وانی استاذنت ربی فی زیارتها فاذن لی فاستأذنته فی الاستغفار فلم یأذن لی ونزل علیَّ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾[1] الآیتین فاخذنی ما یأخذ الولد للوالدة من الرقة فذلك الذی ابکانی". قال الحاکم "هذا حدیث صحیح[2]" وتعقبه الذهبی فی شرح المستدرك فقال "ایوب بن هانی ضعفه ابن معین".

---

(۱) القرآن الکریم، التوبة، ۹/۱۱۲،۱۱۳.

(۲) مستدرك للحاکم، (طبع بحیدر آباد، الهند)، ۲/۳۳۶ (کتاب التفسیر، فی تفسیر التوبة) وقال علی شرط الصحیحین ولم یخرجاه ... وعقبه الذهبی، وقال "فیه ایوب بن هانی" وهو ضعیف... وقال السیوطی، واما حدیث نزول الایة فی ذالك فضعیف ایضا والثابت فی الصحیحین انها نزلت فی ابی طالب (مسالك للسیوطی، ص ۲۲).

(۲۹) وأخرج الطبرانی من حدیث ابن عباس ولفظه "لما اقبل من غزوة تبوك واعتمر هبط من ثنية عسفان فنزل على قبر امه"[۳] وذكر نحو حدیث ابن مسعود وفيه نزول الآية واسناده ضعيف.

(۳۰)وأخرج ابن سعد وابن شاهين من حديث بريدة بلفظ "لما فتح رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة اتى قبر امه فجلس" فذكر نحوه[٤]

(۳۱) وفی لفظ ابن جرير وابن شاهين من طريقه "لما فتح قدم مكة اتى رسم"[٥].

(۳۲) وعند ابن جرير وجه آخر "لما قدم مكة وقف على قبر امه حتى سخنت عليه الشمس رجاء أن يؤذن له فلسيتغفر لها فنزلت عليه[٦]

قال ابن سعد فى الطبقات بعد تخريجه "هذا غلط وليس قبرها بمكة بل قبرها بالابواء[۷] فظهر أن طرق الحديث كلها معلولة قال الحافظ ابن حجر فى شرح البخارى "من حكم بصحة حديث ابن مسعود ليس لكونه صحيحا لذاته بل لو روده من هذه الطرق

وقد تأملت فوجدتها كلّها معلولة وفى الحديث علة آخرى وهى أنه مخالف لما فى صحيح البخارى وغيره من أن هذه الآية نزلت بمكة عقب موت ابى طالب و استغفار النبى صلى الله عليه وسلم[۸].

---

(۳) الطبری، التفسير ١٤/٥٥-٥٦.

(٤) ابن سعد، ١/١١٧.

(٥) التفسير لابن جرير الطبری، ١٤/٥٥، طبع باعتناء محمود محمد شاكر، بمطبعة دارالمعارف القاهره، بلفظ: "لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة وقف على قبر امه حتى سنخت عليه الشمس رجاء ان يؤذن لها... حتى نزل ما كان للنبى والذين آمنوا..." الاية.

(٦) ايضا، ١٤/٥١١.

(٧) ابن سعد، ١/١١٧ (ذكر وفاة آمنة ام رسول الله صلى الله عليه وسلم).

(۳۳) واصح طرق هذا الحديث ما اخرجه الحاكم و صححه على شرط الشيخين عن بريدة عن النبى صلى الله عليه وسلم "أنه زار قبر أمه فى الف مقنع فما رأى اكثر باكيا من ذلك اليوم"(۹)

وهذا القدر لا علة له وليس فيه مخالفة لشئ من الأحاديث ولا نهى عن الاستغفار وقد يكون البكاء لمجرد الرقه التى تحصل عند زيارة القبورمن غيرسبب تعذيب أو لبعض المعاصى.

(۳۴) وكذا ما روى مسلم عن ابى هريرة قال "زار النبى صلى الله عليه وسلم قبر امه فبكى وبكى من حوله فقال استأذنت ربى فى الاستغفار لها فلم يؤذن لى واستأذنته فى أن ازور قبرها فاذن لى فزوروا القبور فانها يتذكر كم الموت"(۱۰)

لا يدل على كونها مشركة لانه يمكن أن يكون الاستغفار لاجل المعاصى وجاز الاذن بالاستغفار كما كان فى ابتداء الاسلام لم يؤذن بالصلوة على من كان دينًا ولم يترك الوَفَاءَ(۱۱)

(۳۵) ومنها ما رواه ابن شاهين بسنده وأخرجه الحاكم فى المستدرك وصححه عن ابن مسعود قال "جاء ابنا مليكة فقالايارسول الله ان امنا كانت تكرم الضيف وقد ماتت فى الجاهلية فاين امنا فقال امكما فى النار فقاما وقد شق ذلك عليهما فدعاهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان أمى مع امكما فقال منافق من الناس أو ما يغنى هذا من أمه ما يغنى ابنا مُليكة عن أمهما فقال شاب من الانصار فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما سألتهما ربى فيعطنى فيهما وانى لقائم

(۸) البخارى مع فتح البارى، لابن حجر، ۲۲۸/۳ (كتاب الجنائز، باب ۸۴، رقم الحديث ۱۳۶۶، وكتاب التفسير، تفسير سورة التوبة).

(۹) مستدرك للحاكم، ۶۰۵/۲ (كتاب التاريخ، زيارته صلى الله عليه وسلم قبر امه)

(۱۰) الصحيح للمسلم، ۶۷۱/۲، رقم الحديث ۱۰۵ (۹۷۶) كتاب الجنائز، باب ۳۶، الحديث، ۱۰۸ (۹۷۶)...

(۱۱) مسالك، للسيوطى، ص ۲۴.

المقام المحمود"(۱۲).

قلت وهذا الحديث يدل على أن هذا كان قبل أن يسأل ربه فيها.

(۳۶) وأخرج احمد عن ابى زربن العقيلى "قال قلت يا رسول الله اين امى قال أمك فى النار فقلت فاين من مضى من اهلك قال أما ترضى أن تكون امك مع امى".

(۳۷) ومنها ما ذكر فى بعض التفاسير انه صلى الله عليه وسلم قال ليت شعرى ما فعل بابواى فنزلت ﴿وَلاَ تُسْاَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ﴾(۱۳)

(۳۸) ومنها ما روى مسلم وأبوداؤد عن حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس رضى الله عنه قال "يارسول اين ابى قال فى النار فلما قفى دعاه فقال ان ابى وأباك فى النار"(۱۴).

هذا حديث من افراد مسلم عن البخارى وتكلم على بعض افراده وثابت وان كان اماما ثقة لكن ذكره ابن عدى فى الضعفاء وحماد بن سلمة وان كان اماماً عابدًا عالمًا فقد تكلم جماعة فى روايته ولم يخرج عنه البخارى شياً فى صحيحه وقال الذهبى حماد ثقة له أوهام وله مناكير كثيرة وكان لا يحفظ وكانوا يقولون انها دُسَّت فى كتبه وقد قيل ان ابن العرجاء كان ربيبه وكان يدس فى كتبه(۱۵)

(۳۹) ومن انكر رواياته ما رواه عن قتادة عن عكرمة عن ابن عباس

---

(۱۲) مسند لاحمد بن حنبل، ۴/۲۱... (وسنده ضعيف).

(۱۳) نفس المرجع ۱۲/۴۸۳، رقم الحديث ۱۶۱۳۳؛ ابوداؤد الطيالسى ص۱۴۷، رقم الحديث: ۱۰۹۰: ومعجم الكبير للطبرانى، ۱۹/۲۸، رقم ۴۷۱.

(۱۴) مسلم، ۱/۱۹۱، كتاب الايمان، باب ۸۷، (بيانه من مات على الكفر...) رقم الحديث ۳۴۷(۲۰۳)

(۱۵) قال السيوطى فى مسالك "ان هذه اللفظة وهى قوله ان ابى واباك فى النار لم يتفق على ذكرها الرواة وانما ذكرها حماد بن سلمه عن ثابت عن انس وقد خالفه معمر عن ثابت فلم يذكر ان ابى واباك فى النار ولكن قال له "إذا مررت بقبر كافر فبشره بالنار وهذا اللفظ لا دلالة فيه على والده صلى الله عليه وسلم بامر البتة وهذا اثبت من حيث الرواية فان معمر اثبت من حماد فان حمادا تكلم فى حفظه ووقع فى احاديثه مناكير (ص۲۳)

مرفوعًا "رأيت ربى جعدًا امرد عليه حلةٌ خضراء"

وفى حديث أنس علة أخرى من حيث المتن أن النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا سأله أعرابى وخاف من افصاح الجواب فتنة واضطراب قلبه أجابه بجواب فيه تورية وايهام كالحديث الذى أخرجه البخارى "سأله رجل عن الساعة قال فنظر الى أحدث القوم سنًّا فقال ان يستنفد هذا عمره لم يمت حتى تقوم الساعة"[١٦].

قال العلماء كان الاعراب يسألونه كثيرا عن الساعة فخشى صلى الله عليه وسلم من قوله "لا أعلمها" فتنتهم وشگهم فى نبوته فاجابهم بجواب فيه تورية ومراده ان بلغ هذا الغلام اقصى عمره لم يمت حتى تقوم على الحاضرين ساعتهم أن يموتوا كلهم وقيامهم ساعة كل واحد موته.

اذا عرفت ذلك فالذى عندى أن من رواة مسلم من روى بلفظ "ان ابى واباك فى النار" روى بالمعنى

(٤٠) وكان القصة ما أخرج البزار فى مسنده والطبرانى فى الكبير بسند رجاله رجال الصحيح عن سعد بن ابى وقاص "أن اعرابيًا أتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله اين ابى قال فى النار قال فاين ابوك فقال حيث مررت بقبر كافر فبشره بالنار"[١٧] قال هذا حديث صحيح وصريح فى أن السائل كان اعرابيًا ففيه مظنة الفتنة والردة فلعل النبى صلى الله عليه وسلم كره بافصاح الجواب اختلاف ابيه و أبى الأعرابى خشية ارتداده فاوهم ودارى ولهذا قال بعض الحفاظ لو لم يكتب الحديث من ستين وجها ما عقلناه وقد وقع فى الصحيح أحاديث كثيرة على هذا النمط.

---

(١٦) البخارى، مسند لاحمد بن حنبل، ١١/١٦٧، رقم الحديث ١٣١٥٧.

(١٦) مسند لاحمد بن حنبل، ١١/١٦٧، رقم الحديث ١٣١٥٧.

(١٧) مسالك للسيوطى، ص٢٣، بلفظ "اذا مررت بقبر كافر فبشره بالنار" وعزاه الى معجم للطبرانى ...... "والاعرابى اسلم بعد ذلك".

(٤١) ومنها حديث مسلم فى نفى قرائة البسملة[18] وقد اعلّه الشافعى بذلك وقال "ان الثابت من طريق آخر نفى سماعهم ففهم منه الزاوى بنفى قرائتها فرواه بالمعنى على ما فهمه واخطأ"- قلت وكذاحديث "امى مع امكما" لجواز ان يكون معناه معيتهما فى دارالبرزخ

ثم نقول كون شخص فى النار ومن اصحاب الجحيم لا تدل على كونه كافراً اذ قد يكون لمعصية حتى تدركه المغفرة أو الشفاعة أو دون ذلك أو يبلغ الكتاب أجله ونزول قوله تعالىٰ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾[19] فى حديث زيارة النبى صلى الله عليه وسلم أمه وهم من الراوى.

(٤٢) والصحيح ما فى البخارى "أن الآية نزلت عقيب موت ابى طالب واستغفار النبى صلى الله عليه وسلم[20].

وحنيئذ لا يدل شئ من تلك الأحاديث على خلاف مذهبنا بل فيها ما هوحجة لنا وهو أنه ظهر بتلك الأحاديث أنه صلى الله عليه وسلم حزن على أمه حزنا شديدا حتى بكى وابكى من حوله وقال أخذنى ما ياخذ الولد لوالدتها ولا شك أنه صلى الله عليه وسلم محبوب الله تعالىٰ موعود منه تعالىٰ بقوله ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾[21] فالعقل السليم يحكم بان الله الذى لما رأى تقلب وجهه فى السماء لاجل الصلوٰة إلى الكعبة قال ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[22] فهو لحزنه صلى الله عليه وسلم وبكاء على والديه أولىٰ ان يحكم بالاذن له

(١٨) الصحيح للمسلم، ١/٢٩٩، باب ١٣، رقم الحديث ٣٩٩: حجة من قال لا يجهر بالبسملة.

(١٩) القرآن الكريم، التوبة (٩/١٣).

(٢٠) البخارى، ٨/٣٨١ (كتاب التفسير، تفسير سورة التوبة، باب ١٦).

(٢١) القرآن الكريم، (الضحى، ٩٣/٥).

(٢٢) البقرة (٢/١٤٩، ١٥٠).

بالاستغفار ویغفر ابویه کی تقرعینیه ولا یحزن.

ویشهد علی هذا ما مر من قوله صلی الله علیه وسلم "ما سألتهما ربی فیعطینی فیهما وانی لقائم مقام المحمود".

* * * * *

مذهب والدى المصطفى صلى الله عليه وسلم

ثم القائلين بنجاة ابويه صلى الله عليه وسلم منهم من ذهب الى أنهما كانا على التوحيد والملة الحنيفة:

(٤٣) روى ابونعيم فى دلائل النبوة من طريق الزهرى عن ام سماعة بنت ابى رهم عن امها قالت "شهدت آمنة ام رسول الله صلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم فى علتها التى ماتت فيها ومحمد غلام بلغ له خمس سنين عند رأسها فنطرت إلى وجهه ثم قالت :

بارك فيك الله[1] من غلام — يا ابن الذى من حومة الحمام
نجا بعون الملك المنعام — فودى غداة الضرب بالسهام
بمائة[2] من ابل سوام[3] — ان صح ما ابصرت فى المنام
فانت مبعوث الى الأنام — من عند ذى الجلال والاكرام
تبعث فى الحل والحرام — تبعث بالتحقيق والاسلام
دين ابيك البر ابراهام — فالله انهاك عن الاصنام
ان لا تواليها مع الاقوام

ثم قالت كل حى ميت وكل جـديد بال وكل كثير يعنى[كذا؟ تعنى] "وانا ميته و ذكريات وقد تركت خيرا وولدت طهرا" ثم ماتت فكنا نسمع نوح الجن عليها فحفظنا من ذلك:

---

(١) وفى الاصل بارك الله فيك "والتصحيح" من مسالك' ص١٩.

(٢) وفى الاصل مائة.

(٣) وفى الاصل السوام.

تبكى الفتاة البرة الأمينة ذات الجمال والعفة الرزينة
زوجة عبد الله والقرينة ام نبى الله ذى السكية
وصاحب المنبر بالمدينة صارت لذى حفرتها رهينة[٤]

هذا القول من ام النبى صلى الله عليه وسلم صريح فى انها كانت موحدة اذ ذكرت دين ابراهيم وبعث [كذا؟ بعثه] ابنها صلى الله عليه وسلم بالاسلام من عند ذى الجلال والاكرام ونهيه عن الاصنام فكانت هى كزيد بن عمرو بن نفيل وقس بن ساعدة و ورقة بن نوفل واكثر من تحنف وانماكان سبب تحنفهم ماسمعوا من اهل الكتاب والكهان قريب زمانه صلى الله عليه وسلم وام النبى صلى الله عليه وسلم سمعت من ذلك اكثر مما سمعه غيرها وشاهدت فى حمله وولادته من الآيات الباهرة مايحمل على التحنف ضرورة فانها

(٤٤) "رأت النور الذى خرج منها وأضاء قصور الشام حتى رأتها كما ترى الامهات البنين".

(٤٥) وقالت حليمة حين جاء ت به وقد شق صدره "ما للشياطين عليه من سبيل وانه لكائن نبى".

(٤٦) أخرج أحمد والبزار والطبرانى الحاكم والبيهقى عن عرباض بن سارية "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انى عبد الله وخاتم النبيين وان آدم لمنجدل فى طينه وساخبركم عن ذلك أنا دعوة ابى ابراهيم وبشارة عيسٰى ورؤيا امى التى رأت"[٥].

ومنهم من ذهب الى أن الله تعالىٰ احيى أمه وأباه فآمنا برسول الله صلى الله عليه وسلم

(٤٧) قال ابن شاهين "حدثنا محمد بن الحسن بن زياد مولى

---

(٤) مسالك للسيوطى، ص١٩ وعزاه الى دلائل النبوة لابن نعيم ... وكما ترى ... هذا الاثر ضعيف جدا...... بل هو من الموضوعات... وايمان ابواى النبى صلى الله عليه وسلم لا يحتاج لمثل هذه الموضوعات.

(٥) انظر الطبقات لابن سعد، ١/٨٤.

الانصار قال حدثنا احمد بن یحیٰی الخضرمی بمكة قال حدثنا ابوبكر عربة [كذا؟ عزوبة] بن محمد بن یحیی الزهری قال حدثنا عبدالوهاب بن موسٰی الزهری عن عبد الرحمن بن ابی الزناد عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی اللّٰه عنها ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نزل الی الحجون كئیبا حزینا فاقام به ما شاء اللّٰه ثم رجعت مسرورًا قال سألت ربی عزوجل فاحیی لی أمی فآمنت ثم ردها"[٦]۔

(٤٨) قال الحافظ محب اللّٰه بن أحمد بن عبداللّٰه المكی الطبری فی كتابه السیرة قال"اخبرنا ابوالحسن المعبر قال اخبرنا الحافظ ابوالافضل محمد بن علی بن عبدالرزاق الحافظ الزاهد قال اخبرنا العاصی ابوبكر محمد بن أحصر [كذا؟] قال حدثنا ابوعزوبة محمد بن یحیٰی الزهری قال حدثنا عبدالوهاب بن موسٰی الزهری عن عبدالرحمن بن ابی بردة عن هشام عن ابیه عن عائشة نحوه"[٧]۔

(٤٩) وقال الحافظ ابوبكر الخطیب فی كتابه السابق واللاحق أن أبا الفداء الواسطی "حدثنا قال حدثنا الحسین بن علی بن محمد الحلبی قال حدثنا ابوطالب عمربن الربیع الزاهدی قال حدثنا علی بن ایوب الكعبی قال حدثنا محمد بن یحیٰی الزهری ابوعزوبة عن عبدالوهاب بن موسٰی قال حدثنا مالك بن أنس عن أبی الزناد عن هشام بن عروة یعنی عن ابیه عن عائشة قالت "حج بنا رسول اللّٰه صلی علیه وسلم حجة الوداع فمر[٨] علی عقبة الحجون وهو باك حزین فذكرت القصة فقالت "قد ذهبت لقبر أمی فسألت اللّٰه أن یحییها فاحیٰها فآمنت بی وردها اللّٰه".

(٥٠) وأخرجه الدارقطنی وابن عساكر فی غرائب مالك قال الدارقطنی باطل وقال ابن عساكر منكر واورده ابن الجوزی فی

(٦) الروض الانف للسهیلی، ٢/١٨٥... وهو من المناكیر(حواشی، للروض الانف).

(٧) مسالك الحنفاء، ص ٢٧، وهو ایضا من المناكیر.

(٨) الروض الانف ٢/١٨٥.

الموضوعات ولم يتكلم على رجاله وكان الحديث من طريقين "عن مالك عن ابى الزناد هشام" "وعن عبدالرحمن بن زياد عن هشام"

(٥١) وقال السهيلى فى كتابه الروض الانف[٩] روى حديث غريب لعله بصحيح وجدته بخط جدى ابى عمر احمد بن الحسن القاضى بسند فيه مجهولون ذكر أنه نقله من كتاب النسخ من كتاب [معوذ][١٠] بن [معوذ] الزاهد برقعة. [كذا؟ يرفعه] إلى [عبدالرحمن بن[١١]] ابى الزناد عن [هشام][١٢] عن عروة عن عائشة [أم المؤمنين رضى الله عنها] أنها أخبرت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيى ابويه فاحيا هما فآمنا به ثم أمتهما[١٣].

فان قيل أمّا السند الأول ففيه محمد بن زياد وهو النقاش ليس بثقة واحمد بن يحيىٰ مجهول وفى السند الثالث ابوطالب عمر بن الربيع ضعّفه الدارقطنى وعلى بن ايوب الكعبى فيه جهالة ثم مدار الحديث على ابى عزوبة الصغير محمد بن يحيىٰ[١٤]" قال الدارقطنى مجهول وعَلىٰ عبدالوهاب بن موسىٰ' قال الذهبى مجهول' قلت أما أحمد بن يحيىٰ الحضرمى فليس بمجهول قد ذكره الذهبى فى الميزان وقال "روى عن حرملة النخسى وابنه ابوسعيد ويونس" ومن يترجم بهذا' تعتبر بحديثه واما محمد بن زياد فان كان هو النقاش' كما ذكره ابن

---

(٩) السهيلى' ٢/١٨٥.

(١٠) وفى الاصل" معقود" وهو تصحيف.

(١١) سقط من الاصل.

(١٢) سقط من الاصل' والزيادة من الروض' ٢/١٨٧.

(١٣) الروض الانف' للسهيلى' ٢/١٨٧.

(١٤) قال الذهبى' فى كتابه لسان الميزان (٥/٤٣٢). 'محمد بن يحى بن حمزان الحضرمى من اهل دمشق يروى عن ابيه وروى عنه" اهل الشام قال ابن حبان فى الثقات هو ثقة فى نفسه يتقى من حديثه' رواه عنه احمد بن محمد بن يحى واخوه فانهما يدخلان عليه كل شىء.

كَافِرٌ﴾[١٧] فمن مات كافرا لم ينفعه الايمان بعد الرجعة بل لو آمن عند المعائنة لم ينفع فكيف بعدا الاعادة. قال القرطبى فى ماذكره ابن دحية نظرو ذلك أن فضائل النبى صلى الله عليه وسلم لا تكاد تحصىٰ كان عيسىٰ يحيى الموتى وكذلك نبينا صلى الله عليه وسلم احيا الله على يديه جماعة من الموتى فما يمنع من ايمانهما

(٥٢) وقد رد الله تعالىٰ الشمس عليه بعد مغيبها حتى صلى العصر على ما ذكر الطحاوى[١٨] وقال انه حديث ثابت فلولم يكن رجوع الشمس نافعا وأنه لا يتجدد الوقت لما رده عليه فكذلك يكون احياء ابوى النبى صلى الله عليه وسلم وقد قبل الله توبة قوم يونس مع تلبسهم بالعذاب كما هو أحد الاقوال وظاهر القرآن قال الله تعالىٰ ﴿إِلاَّ قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّا آمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَا هُمْ اِلَى حِيْنَ﴾[١٩].

(٥٣)وقال اليسوطى ورد أن اصحاب الكهف يبعثون فى آخر الزمان ويحجون ويكونون من هذه الامة تشريفا لهم

(٥٤)وورد عن ابن عباس مرفوعًا أن اصحاب الكهف اعوان المهدى[٢٠] أخرجه ابن مردويه فى تفسيره - فاعتبر حيٰوة اصحاب الكهف بعد الموت تشريفا لهم فكذا ابوى النبى صلى الله عليه وسلم ولا بدع فان الله تعالى كتب لابوى النبى صلى الله عليه وسلم عمراً ثم قبضهما قبل استيفائه ثم اعادهما لا ستيفاء تلك اللحظة الباقية وآمنّا به فيها فيعتد به وذلك اكرام له صلى الله عليه وسلم ورجح قول من قال أن الحديث ليس بموضوع[منهم] حافظ شمس الدين بن ناصرالدين

---

(١٧) البقرة (٢/٢١٧).

(١٨) السنن للطحاوى (كتاب الصلوة).

(١٩) القرآن الكريم' يونس (١٠/٩٨).

(٢٠) الدر المنثور' للسيوطى' ٥/٣٧٠' بلفظ:"عن ابن مردويه عن ابن عباس قال قال رسول الله عليه وسلم اصحاب الكهف اعوان المهدى".

الجوزی، فهو أحد العلماء بالقراء ة وأحد الأيمة فی التفسير قال الذهبی فی الميزان صار شيخ المقرئين فی عصره علی ضعف فيه اثنی عليه ابوعمرو الدانی وحدث بمناكيره واما علی بن ايوب [الكعبی[15]] فليس بمجهول، قد عرفه الدارقطنی واما عمر بن الربيع فان كان قد تكلم فيه قوم فقد وثقه آخرون وكان كثير الحديث توفی سنة اربعين وثلاثمائة بمصر كذا قال مسلمة بن قاسم.

ثم اذا اعتضد رواية بعضهم ببعض زال الضعف وبقی أن مدار الحديث علی ابی عزوبة الصغير قال شيخ الاسلام ابوالفضل بن حجر فی لسان الميزان، بعد ذكره كلام ابن الجوزی" اما محمد بن يحيی فليس بمجهول بل هومعروف له ترجمة جيدة فی تاريخ مِصر لابی سعيد بن يونس فقال محمد بن يحيیٰ بن محمد بن عبد العزيز بن عمربن عبد الرحمن بن عوف ابوعبد الله ولقبه ابو عزبة، مدنی، قدم مصر وله كنيتان، روی عنه اسحق بن ابراهيم الكناس و زكريا بن يحيی البغوی وسهل بن سوارة القافعی ومحمد بن فيروز ومحمد بن عبد الله بن حكيم" لكن قال الدارقطنی ابوعزوبة هذا هو الصغير منكر الحديث وقالوا لولا تفرد ابی عزوبة به لحكمنا بأن الحديث حسن لكنه ضعيف واما شيخه عبد الوهاب ابن موسیٰ ثقه الدارقطنی فی موضعين فقال فی موضع ثقة وقال فی موضع ليس به بأس[و] أقره الحافظ بن حجر ولم تنقل فيه جرح ومَن فوقهم مِنْ مالك فصاعدًا لا يُسأل عنهم لجلالتهم فظهر من رواة الحديث ليس أحد يحكم عليه بالوضع وانما حكم من حكم بالوضع، لمعنی آخر قال القرطبی ذكر الحافظ ابوالخطاب عمر بن دحية أن الحديث فی ايمان أمه وابيه موضوع يرده القرآن والاجماع قال الله تعالیٰ ﴿وَالَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾[16] وقال ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ

---

(۱۵) وفی الاصل الكفنی وهو تصحيف.

(۱٦) القرآن الكريم، النساء(۴/۱۸).

محدث دمشق من المتأخرين فانه أورد الحديث من طريق الخطيب فى كتابه المسمى مورد الصافى فى مولد الهادى وانشد عقبه شعر :

حَبَا اللّٰه النبى مزيد فضل
على فضل وكان به رؤفا
فَاَحْيَا أُمَّه وكَذَا اَبَاه
لايمان به فضلاً لطيفا
فَسَلّم فَالقَدِير بذاقدير
وَان كَان الحديث به ضعيفًا(۲۱)

حديث احياء ام النبى صلى اللّٰه عليه وسلم وايمانها ضعيف لاجل ابى عزوبة وليس بمنكر وانما قال من قال انه منكرًا زعمًا منه أن حديث الزيارة التى سبقت وفيه النهى عن الاستغفار لها صحيح، فان المنكر من الحديث ما كان ضعيفا مخالفًا لحديث صحيح ولما كشف لك فيما قبل ان حديث الزيارة ايضًا ضعيف، فحينئذٍ لا يمكن أن يقال أن حديث احياء أمه عليه السلام منكر بل يقال أن حديث الزيارة منسوخة وحديث الاحياء ناسخة [لانّه] حديث وقع فى حجة الوداع فظهر أن النهى عن الاستغفار صار منسوخًا فاستغفر رسول اللّٰه صلى عليه وسلم واحياها اللّٰه فآمنت وغفرلها، هذا ملحض قول الفريقين.

ومنهم من ذهب الى انهما كانا على التوحيد والملة الحنيفية.

ومنهم من قال احياهما اللّٰه تعالى بدعوة نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم فآمنا به ثم ماتا قلت ويمكن الجمع بين القولين وهو الختار عندى وحينئذ الفائدة فى احيائهما وان كاناعلى التوحيد والملة الحنيفية لكن لما كان ذلك الوقت زمن الفترة الجاهلية كان ايمانهما ضروريا مقصورًا على التوحيد وما وصل اليهما من خبر بعثة ابنهما خاتم النبيين [صلى اللّٰه عليه وسلم] من اهل الكتاب ومن الكهنة ولعلهما كانا فى

(۲۱) مسالك، للسيوطى ، ۲۸، وعزاه الى شمس الدين محمد بن ناصر الدين الدمشقى (م۸٤۲ھ/۱۳۳۸ء).

البرزخ محبوسين عن الجنة ببعض معاصيهما وان الله لم يأذن نبيه صلى الله عليه وسلم اولاً لاستغفار هما كما لم يأذن له صلى الله عليه وسلم فى أول الاسلام بالصلوٰة على من عليه دين ولم يترك الوفاء ثم منّ الله تعالىٰ على نبيه فاذن له بالاستغفار فاستغفر لهما الله فَغَفرلهُمَا واحياهما الله تعالىٰ بدعاء نبيه صلى الله عليه وسلم تشريفا لهما فامنا بجميع ما جاء به النبى صلى الله عليه وسلم واحرزا مدارج الايمان وفضائل صحبة خير الانام فمثلهما كمثل اصحاب الكهف أنهم امنوا بربهم فى حياتهم الاولىٰ ثم احياهم الله ثانيا ليكونوا من هذه الأمة الوسط خير الأمم، شهداء على الناس جمعا بين الأحاديث وتصديقًا لما صح عنه صلى الله عليه وسلم وذكرناه فى صدر الرسالة "أَنَا خيركم نفسًا وخيركم أبًا"[۲۲] ونحوه فانه

(۵۵) قال ابن الجوزى "أخبرت عن ابى الحسن يحيىٰ بن الحسين بن اسماعيل العلوى قال اخبرنا ابوعبدالله محمد بن على بن الحسين الحسنى قال حدثنا زيد بن حاجب قال حدثنا محمد بن على بن حمزة العباس قال حدثنا ابى قال حدثنا على بن موسىٰ بن جعفر قال حدثنا ابى عن جعفر بن محمد عن ابيه على بن الحسين عن ابيه على مرفوعًا أن رسول الله صلى عليه وسلم قال هبط جبرائيل علّى فقال ان الله يقرئك السلام يقول انى حرمت النار على صلب انزلك وبطن حملك وحجر كفلك"[۲۳].

أُمَّا الصلبُ فعبدالله واَما البطن فآمنة وأما الحجر فعمه يعنى ابا طالب وفاطمة بنت أسد قال ابن الجوزى اسناده كما ترى وابوالحسين العلوى رافضى غال.

قلت فاطمة بنت أسد آمنت وصحبت وهاجرت رضى الله عنها واما ابوطالب فلا شك فى كفره لكن

---

(۲۲) انظر الحاشية (٤ تحت الجزء (۱) فى هذه الرساله).

(۲۳) السيوطى، مسالك، ص ۲۳.

(٥٦) قال ابن سعد فى الطبقات أخبرنا عفان بن مسلم [عن[٢٤]] حماد بن سلمة[٢٥] عن ثابت عن اسحاق بن عبدالله بن الحارث قال قال العباس "يارسول الله اترجو لابى طالب قال كل الخير أرجو من ربى[٢٦] والله اعلم".



(٢٤) وفى الاصل "إنَّ" وهو تصحيف، والتصحيح من ابن سعد، ١/١٢٤: "اخبرنا عفان بن مسلم، اخبرنا حماد بن سلمه عن ثابت" الحديث.

(٢٥) وفى الاصل "مسلمه".

(٢٦) الطبقات، لابن سعد ١/١٢٤.

الفوائد

[فی تکریم ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم]

[فائدۃ:۱]

عبد الله ابو النبى صلى الله عليه وسلم

(٥٧) قال الحافظ صلاح الدين عاش من العمر نحو ثمانى عشرة سنة و والدته نحو العشرين سنة تقريبا

(٥٨) وقال الواقدى عاشت خمسا وعشرين سنة

(٥٩) قال السيوطى مرَّ عبد الله بالمدينة فى سفره الى الشام ورجع فدخلها وهو مريض فاقام بها شهرًا مريضًا ومات[1] وأما آمنة فقدِمَت المدينة زائرة لاقاربها فاقامت بها ايضًا شهرًا ومعها النبى صلى الله عليه وسلم فرجعت فماتت بالطريق[2].

---

(١) واكثر على ان عبدالله مات ورسول الله صلى الله عليه وسلم فى المهد ابن شهرين او اكثر من ذلك بل مات عبدالله عند اخوا له بنى النجار ورسول الله ابن ثمان وعشرين شهرا ويقال انه دفن فى الدار النانعة فى الدار الصغرى اذا دخلت الدار على يسارك فى البيت (راجع الطبرى والروض الانف) فقال ولكن قال ابن هشام فى كتابه السيرة النبوية "ثم لم يلبث عبدالله بن عبدالمطلب ابو رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هلك وام رسول الله حامل به"

(٦) قال ابن هشام فى كتابه السيرة النبوية (١٦٨:١): قال ابن اسحاق حدثنى عبدالله بن ابى بكر بن محمد بن عمرو بن حزم ان ام رسول الله صلى الله عليه وسلم آمنة توفيت ورسول الله صلى الله عليه وسلم ابن ست سنين بالابواء بين مكة والمدينة كانت قد قدمت به على اخوا له من بنى عدى بن النجار تزيره اياهم فماتت وهى راجعة إلى مكة ويقال ان قبر آمنة بنت وهب فى شعب ابى ذر بمكة (راجع الطبرى)

[فائدة:۲]

قوله تعالىٰ ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ﴾[۳] يمكن أن يحمل على أن أبائه صلى الله عليه وسلم كلهم كانو مؤمنين ساجدين[٤] كذا قال السيوطى[٥] وقال الحافظ شمس الدين ابن ناصر الدين قطعة۔

وينقل[٦] أحمد نورًا عظيمًا تلالا فى وجوه[٧] الساجدينا
تقلب فيهم قرنًا فقرنا الى أن جاء خير المرسلينا[٨]

قال الصفدى بعد ذكر حليمة وما أكرمها رسول الله صلى الله عليه وسلم به حين قدومها عليه صلى الله عليه وسلم قطعة :

هذا جزاء الام عن ارضاعه لكن جزا الله عنه عظيم
وكذالك ارجو أن يكون لأمه عن ذاك آمنة يد ونعيم

(۳) القرآن الكريم، الشعرآء (۲۷/۲۱۹).

(٤) وقد عزا هذا بعض المفسرين إلى حبر الامة، عبدالله بن عباس رضى الله عنهما... وفيه نظر ... كما صرح به عبدالرحمن الوكيل (المحشى للروض الانف)، تحت هذه الرواية. "اماما نقله البزاز وابن ابى حاتم عن ابن عباس فهو كلام مفترى على حبر هذه الامة ابن عباس ولهذا لم تخرجت احد رواة الحديث فى صحيحه أو مسنده أو سننه (۲/۶۳۔۶٤).

(٥) وبه جزم فى تفسيره الدر المنثور، ۳۳۱/٥ (دارالكفر، بيروت)... ونقل عن مجاهد انه قال: يعنى من نبى الى نبى حتى اخرجت نبيا وعن ابى نعيم فى الدلائل، عن ابن عباس، قال ما زال النبى صلى الله عليه وسلم يتقلب فى اصلاب الانبياء حتى ولدته امه (۳۳۲/٥).

(٦) وفى مسالك (ص۱۸) "تنقل" وهو تصحيف.

(۷) وفى الاصل: وجود وهو تصحيف.

(۸) مسالك، ص۱۸.

ويكون احياها الاله وآمنت بمحمد فحديثها معلوم
فلربما سعدت به ايضا كما سعدت به بعد الشقاء حليم[٩]

[فائدة:٣]

قال الامام السهيلى فى الروض الأنف بعد ايراد حديث مسلم وغيره "وليس لنا أن نقول ذلك فى ابويه صلى الله عليه وسلم لقوله صلى الله عليه وسلم "لا تؤذوا الاحياء بسب الأموات" والله تعالىٰ يقول ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ﴾[١٠]

(٦٠) وسئل القاضى ابوبكر بن العربى أحد أئمة المالكية عن رجل قال ان ابا النبى صلى الله عليه وسلم فى النار فافتى بانه ملعون لأن الله تعالىٰ يقول ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ﴾[١١] ولا أذى اعظم من أن يقال ابوه فى النار.

(٦١) وذكر القاضى عياض فى الشفاء أن كاتب عمر بن عبدالعزيز قال بحضرته كان ابو النبى صلى الله عليه وسلم كافرا فعزله وقال لا تكتب لى ابدًا[١٢] والأثر فى الحلية لأبى نعيم وفى ذم الكلام للهروى ففيه

(٦٢) أنه لما سمعه قال ذلك وغضب غضبًا شديدًا وعزله من الدواوين.

[فائدة:٤]

اورد المحب الطبرى فى كتاب ذخائر العقبى

(٦٣) عن ابى هريرة قال جاء ت سبيعة بنت ابى لهب الى النبى

---

(٩) مسالك، ص١٨.

(١٠) الاحزاب (٥٨/٣٣) وانظر السهيلى، ١٨٦/٢ وبعد.

(١١) الاحزاب (٥٨/٣٣).

(١٢) مسالك للسيوطى، ص٢٨، ٢٩ وعزاة انى القاضى عياض.

صلى الله عليه وسلم، فقالت يارسول الله إن الناس يقولون أنت بنت حطب النار، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم وهومغضب فقال مابال قوم يؤذونني في قرابتي من آذى قرابتي فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله[١٣].

[فائدة:٥]

(٦٤) في الصحيحين أن أبا لهب روئ في النوم فقال لم ألق بعدكم خيراً غير أني سقيت في هذه بعتا قي ثويبة.

(٦٥) قال السيوطي ثويبة مولاة لابي لهب كان ابولهب اعتقها وكانت ارضعت النبي صلى الله عليه وسلم وشدة ما لقى منه بكونه أعتق من أرضعته فما ظنك بمن حملته في بطنها تسعة اشهر وولدته وارضعته اياما وربته سنين[١٤].

[فائدة:٦]

حكى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما تولد أبشرت ثويبة بولادته أبا لهب فاستبشرته فاعتقها وكان ذلك اليوم يوم الاثنين فكلّما جاء يوم الاثنين يرتفع العذاب عن ابى لهب لذلك الاستبشار والاعتاق والله اعلم.

قد تم ما لخّصته من رسائل السيوطي في تقديس آباء البنى صلى الله عليه وسلم ربيع الاول سنه ١١٩١هجرى صلى الله عليه صاحبها من الصلوٰة اكملها رمن التحيات اتمها.

يقول العبد الراجي رحمة ربه القربى ابوالحسن زيد الفاروقي المجددى بأني قدنقلت هذه الرسالة الشريفة في تقديس آباء النبي صلى الله عليه وسلم للعالم النحرير

---

(١٣) مسالك، ص٢٩.

(١٤) ايضا.

والحبر الكبير القاضى محمد ثناء الله العثمانى رضى الله عنه وارضاه فى يوم السبت العشرين من الشهر المبارك الذى ولدفيه سيد العرب والعجم صلوٰة اللّٰہ وسلامه عليه سنة سبع وخمسين وثلاثمائة بعد الالف من الهجرة على صاحبها الف صلوٰة وتحية وذاك فى شمله سمرهل . هاؤس الدور الفوقانى، ولله الحمد.

ويقول العبد الراجى رحمة ربه، محمود الحسن عارف، بانه تم نقلها وتحقيقها بيوم الخميس، السابع من شهر رمضان المبارك (١٤٢٠ الهجرية / ١٩٩٩ الميلادية). فى دارالعرفان، گلشن راوى، لاهور. وصلى الله على حبيبه محمد وآله وازواجه وذريته واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.



نماز سے متعلقہ مسائل پر قرآن وسنہ کے حوالوں سے مرتب کردہ
ڈاکٹر محمود الحسن عارف کی ایک اہم تصنیف

نماز حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

جس سے چھوٹے اور بڑے سب استفادہ کر سکتے ہیں

☆ وضو کا طریقہ اور اس کے فرائض و سنن
☆ نماز ادا کرنے کا مسنون طریقہ
☆ باجماعت نماز اور اس کے متعلقات
☆ نماز تہجد اور اس کی فضیلت
☆ نماز جمعہ اور عیدین
☆ نماز تسبیح، استسقاء، کسوف اور خسوف کا طریقہ
☆ نماز جنازہ کی شرائط اور دعائیں
☆ نماز کے بعد کون کون سے ذکر یا دعائیں مسنون ہیں

تعلیمی اداروں کے لیے انتہائی رہنما کتاب

☆ اعلیٰ تحقیقی معیار ☆ نفیس طباعت ☆ عمدہ کاغذ

مرکز ادب اسلامی

735۔ہما بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔

فون : 5416396 / 7460474